بے نشان منزلیں اور راہی

آفس سے واپسی پر وہ گھر آنے کے بجائے احمر کی طرف چلا گیا تھا مگر فلیٹ کے لاکڈ دروازے کی طرف دیکھ کر اس کا کوفت اور جھنجلاہٹ سے برا حال ہو گیا۔احمر کو کوستے ہوئے واپس جانے کا قصد کیا ابھی اس نے فرسٹ ٹرن ہی لیا تھا کہ گاڑی ایک جھٹکے سے کھانستے ہوئے رک گئی۔

''آج کا دن ہی برا ہے'' وہ بڑبڑاتے ہوئے ڈور کھول کر باہر نکل آیا آج صبح احمر نے اسے وقت پر جگایا نہیں تھا ورنہ وہ پانچ بجے ہی مس کالز اور میسج بھیج بھیج کر اس کی ناک میں دم کر دیتا تھا ''پوستیو اٹھ جاؤ'' آٹھ بجنے میں صرف پندرہ منٹ رہ گئے تھے جب احمر کا ایس ایم ایس آیا وہ جو شرٹ پریس کر رہا تھا غصے سے موبائل کی طرف بڑھا اور احمر کا نمبر دیکھ کر صوفے پر پٹخ دیا تھا۔زیر لب دو چار گالیوں سے احمر کو نوازتے ہوئے اس نے الٹی سیدھی شرٹ پریس کی، ٹائی میچ کرتے ہوئے پانچ منٹ ضائع ہو گئے گھڑی کی طرف نگاہ اٹھی تو احمر کی گردن کو مروڑ دینے کو دل چاہا خبیث، ذلیل خود تو آفس پہنچ چکا ہو گا اور مجھے جگایا بھی ہے تو کب علی نے دانت کچکچاتے ہوئے واش روم کا رخ کیا پیچھے سے احمر کی کھنکتی آواز سنائی دے رہی تھی علی نے مڑ کر دیکھا تو وہ خوب بن ٹھن کر عین دروازے کے بیچ میں کھڑا مسکرا رہا تھا مجھے اپنی بیوی سمجھ رکھا ہے تم نے رعب تو ایسے جما تے ہو جیسے میں تمہاری نصف بہتر ہوں کبھی کبھی تو مجھے سچ سچ تمہاری زوجہ محترمہ کا گمان ہوتا ہے صبح صبح ہی جگاؤں بھی اور تمہاری ازلی سست طبیعت کی وجہ سے ناشتہ بھی جیسا تیسا بناؤں لنچ آورز میں بمعہ لنچ باکس کے تمہارے کیبن میں آ کر اپنی نگرانی میں تمہیں لنچ کرواؤں اگرچہ آنٹی کی خاص ہدایت ہے اور پھر اپنے گھر جا کر سارا ''سیاپا'' بھی مجھے ہی کرنا پڑتا ہے فارینہ مہارانی کی تو مجھے دیکھ کر ہی طبیعت خراب ہونا شروع ہو جاتی ہے کبھی سر میں درد ہے کبھی کمر میں یعنی کے حد ہی ہو گئی ہے۔

وہ نان سٹاپ شروع ہو چکا تھا علی مسکراتے ہوئے واش روم میں گھس گیا جب تیار ہو کر آیا تو نا صرف ناشتہ ٹیبل پر لگا چکا تھا بلکہ کمرے میں جو کچھ بکھیرا تھا وہ بھی سمیٹ چکا تھا۔

احمر کا خیال آنے پر اچانک اسے یاد آیا تھا کہ آج اس نے فارینہ کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جا نا تھا اس نے کچھ فکر مندی کے عالم میں سر پر ہاتھ مارا اور پھر ہونٹ گرا کر موبائل نکالا اور احمر کا نمبر پریس کیا مگر اس کا سیل ہی آف تھا رات کے سائے ہر سو پھیل چکے تھے پورے علاقے پر مہیب خاموشی طاری تھی گاڑی کے دروازے لاک کر کے اس نے پیدل مارچ کرنے کا سوچا اس کے ا

احمر کے گھر کا فاصلہ صرف بیس پچیس منٹ پر مشتمل تھا پہلے پہل وہ اور احمر اکٹھے رہتے تھے اور پھر احمر نے شادی کے بعد فارینہ کو بھی امریکہ بلوا لیا تھا احمر کے بے انتہا اصرار کے باوجود بھی وہ اس کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہیں ہوا تھا وہ شروع سے ہی تنہائی پسند تھا اور احمر اپنے خاص دوست کے مزاج اس کی طبیعت کے ہر رنگ سے واقف تھا۔

سیاہ بل کھاتی سڑک کے درمیان پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ بڑے لاپروا انداز میں چل رہا تھا ہلکی ہلکی سرد ہوا اس کے بالوں کے ساتھ اٹکھیلیاں کر رہی تھی اس کالونی میں بنے خوب صورت فلیٹس اور چھوٹے چھوٹے ولاز میں رہنے والے لوگوں کیلئے چھوٹی سی خوب صورت تفریح گاہ یعنی پارک تھا جس میں بچوں کیلئے چھوٹے اور درمیانے سائز کے بینچ رکھے گئے تھے۔

پارک کے چاروں طرف سرخ 'گلابی' سفید پھولوں نے ہالہ سے بنا رکھا تھا وہ پارک کے قریب سے گزرا تو پھولوں کی دلفریب مہک اس کے ناک سے ٹکرائی اس نے گہرا سانس کھینچ کر پھولوں کی دلفریب مہک کو اپنے اندر اتارا اسی پل پھولوں کی باڑ کے قریب اسے ہلکی سے سسکیوں کی آواز سنائی دی پہلے پہل علی نے اسے اپنا وہم جان کر نظر انداز کرنا چاہا مگر آواز ہنوز آ رہی تھی وہ کچھ لمحے سوچتا رہا اور پھر ایک فیصلہ کر کے پارک کے اندرونی حصے کی طرف چلا گیا پارک میں اس وقت مکمل اندھیرا تھا موبائل کی ہلکی سی روشنی میں اسے اپنے سے کچھ فاصلے سے وہ ہلتا ہوا وجود نظر آ گیا تھا۔

وہ گھٹنوں میں سر دبائے سسکیاں روکنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی اس کے لمبے گھنگریالے اخروٹی رنگ کے بال پوری پشت پر بکھرے ہوئے تھے جبکہ جسم کپکپا رہا تھا علی کی نظروں کی حدت تھی یا پھر ننھی منی موبائل کی روشنی کی کرن محسوس کر کے اس نے سر اٹھایا تو اپنے بالکل قریب کھڑے نوجوان کو دیکھ کر گھبرا اٹھی اور بھیگے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے صاف کرتے ہوئے لاشعوری طور پر وہ چند قدم پیچھے ہٹی تھی۔

علی حیران تھا کہ رات کے اس پہر ٹھٹھرا دینے والی سردی میں بغیر سویٹر کے سنسان پارک میں وہ انگریز لڑکی کیا کر رہی تھی اس ایریے میں زیادہ تر پاکستانی 'انڈین اور عربین خاندان آباد تھے تمام سرکاری ملازم یہاں سرکاری فلیٹوں اور ولاز میں رہتے تھے رات کے اس پہر اس لڑکی کی موجودگی اسے مشکوک کر گئی تھی اس کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات شبہات سر اٹھا رہے تھے مگر دوسرے ہی پل اسے اپنے خیالات بدلنے پڑے تھے وہ لڑکی بہت ہی سہمی ہوئی تھی اس کے سرخ ہونٹ ٹھنڈ سے یا پھر خوف کی شدت سے نیلے ہو رہے تھے جبکہ رنگت پل بھر میں ہی سفید سے زردی مائل ہو گئی تھی وہ کسی سہمی نڈھال چڑیا کی مانند کپکپا رہی تھی۔

''کون ہو تم ......؟'' علی نے قدرے سخت لہجے میں اس سے دریافت کیا تھا جبکہ وہ اس کی کھردری سخت آواز سن کر بے اختیار رو دی۔ علی اس صورت حال سے قدرے پریشان ہوا اٹھا تھا اس نے ایک مرتبہ پھر اپنا سوال دہرایا اب کے وہ لڑکی ہاتھ جوڑتے ہوئے اس کے قدموں میں گر گئی تھی۔

''میں غیر محفوظ ہوں...... مجھے بچا لو'' اس نے لرزیدہ آواز میں ہکلاتے ہوئے کہا دوسرے ہی پل وہ ہوش و خورد سے بے گانہ ہو گئی تھی علی کے اوسان خطا ہو گئے۔

☆☆☆

"کہیں نیکی گلے ہی نہ پڑ جائے" پچھلے تین گھنٹوں میں کوئی ایک سو چالیس مرتبہ اپنے بیڈ روم کے بند دروازے کی طرف دیکھ کر علی نے سوچا تھا "مجھے اٹھا کر نہیں لانا چاہئے تھا" اس نے ایک مرتبہ پھر خود کو کوسا لاؤنج میں ادھر سے ادھر چکراتے ہوئے اس کا ذہن مختلف سوچوں میں الجھ کر رہ گیا تھا تھک ہار کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس نے ایک دفعہ پھر اپنے کمرے کی طرف دیکھا۔

اس کے بے ہوش وجود کو اپنے پیارے بیڈ پر ڈال کر علی نے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے اس کے منہ پر مارے تھے تھوڑی سے کوشش کے بعد اس نے آنکھیں کھول لی تھیں مگر اس کے ذہن کی حالت کافی ابتر تھی جس طرح وہ بے انتہا رو اور چلا رہی تھی۔ علی بے حد گھبرا گیا تھا پھر کچن میں جا کر دودھ کا گلاس مائیکرو ویو میں گرم کر کے لے آیا اور دراز میں سے ٹیبلٹ نکال کر بمشکل اسے کھلائی تھی بال نوچتے اور سر پٹختے ہوئے دودھ تھوڑا پیا اور زیادہ گرایا کچھ ہی دیر بعد اسکی پلکیں نیند سے بوجھل ہونے لگی تھیں علی نے گہرا سانس لیا اور اس پر کمبل ڈال کر باہر نکل آیا۔

نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی پہلے ہمدردی اور اب فکر اور پریشانی کا احساس غالب تھا وہ ست قدموں سے اٹھا اور گرما گرم کافی بنا لایا اسی پل فون کی بیل گنگنا اٹھی علی نے سی ایل آئی پر نمبر دیکھا اور مسکراتے ہوئے فون کان سے لگا لیا "فجر کی نماز کا وقت ہو گیا ہے وضو کریں اور نماز پڑھیں" دوسری طرف چھوٹتے ہی زین نے کہا۔

"السلام وعلیکم"، علی نے اسے شرم دلانے کی کوشش کی مگر زین پر کہاں اثر ہونا تھا "جیتے رہیں خوش رہیں مسکراتے رہیں، میموں کو تڑپاتے رہیں اگر اپنا دل بڑھاپے کی طرف محو سفر ہے تو کم از کم اپنے بھائی کا نمبر ہی لگوا دیں کبھی تو آئے گی اپنی باری جب ہم بھی امریکہ کی حسین صبحوں، گلاب شاموں کو انجوائے کرینگے اور اپنی جیبیں نوٹوں سے بھریں گے۔"

"اور سر پر جوتے لگیں گے" علی نے تیکھے ترش لہجے میں کہا تھا زین کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

"چھوٹے تو بہت تیز ہو گیا ہے" زین کے طنزیہ انداز نے اسے بے انتہا تکلیف سے دوچار کر دیا تھا "اب میں بڑا ہو گیا ہوں بھائی پورے گیارہ سال ہو گئے ہیں نہ آپ نے مجھے دیکھا ہے نہ میں نے آپ کو۔ کیا امریکہ کی خوبصورتیاں اسی طرح زنجیر ڈال دیتی ہیں کہ اپنے بھول جائیں یا پھر ڈالرز کی کشش؟" زین نے بھرائے لہجے میں اپنی بات ادھوری چھوڑ دی تھی یقیناً وہ رو رہا تھا علی نے دل میں درد کی ایک لہر اٹھتی ہوئی محسوس کی۔

"زین میرے بھائی میری جان۔"

"نہیں ہوں میں آپ کا بھائی" وہ غصے سے چلایا جب مر جاؤں گا تو لاش کو کندھا دینے آ جائیے گا" وہ اسی طرح جذباتی تھا چھوٹی چھوٹی باتوں پر رو دینے والا "تم کیوں ضد کرتے ہو کیوں مجھے اور خود کو تکلیف دیتے ہو میرے پاس آ جاؤ یہاں بے حد قابل ڈاکٹرز اور بہترین علاج معالجے کی سہولیات موجود ہیں اور پھر تم نے امریکہ کی حسین صبحوں اور گلاب شاموں کو بھی تو انجوائے کرنا ہے" علی نے آخر میں کچھ شرارت بھرے انداز میں کہا زین بے اختیار مسکرا اٹھا اور پھر وہ اپنے دوستوں کی شرارتوں کے قصے سنانے لگا تھا علی بے حد دلچسپی سے سنتا رہا فون بند کرنے کے بعد بھی وہ زین

کے متعلق سوچتا رہا تھا۔

زین اس کا چھوٹا بھائی، جس سے علی کو بے انتہا محبت تھی زین پیدائشی بیمار تھا اس کے دل میں سوراخ تھا اور جب علی کو اس کی بیماری کی خبر ملی تو وہ پہروں رویا کرتا تھا اسے آج بھی وہ دن یاد تھا جب وہ کالج سے آیا تو ڈیڈی اور زرینہ ممی لاؤنج میں بیٹھے تھے ڈیڈی کے ہاتھ میں کچھ کاغذات تھے جبکہ زرینہ ممی مسلسل رو رہی تھیں۔

اس سے کچھ فاصلے پر واکر میں بیٹھا زین ہر شے سے بے نیاز اپنی معصوم دنیا میں مگن کھیلنے میں مصروف تھا۔ ڈیڈی دھیمی آواز میں ممی کو زین کی بیماری کے متعلق بتا رہے تھے علی کبھی ڈیڈی کی طرف دیکھتا اور کبھی زین کی طرف اسے بے اختیار ممی کے وہ الفاظ یاد آئے تھے جب وہ ہسپتال سے آئیں تو انکی گود میں گلابی کمبل میں لپٹا وجود تھا علی کی طرف دیکھ کر انہوں نے بچے کو چوما اور پھر انتہائی کروفر سے کہا تھا

"حارث کی جائیداد کا اصل وارث تو اب آیا ہے" علی کو جتنی محبت زین سے تھی اتنی ہی نفرت ممی اور سوہا، سوما سے تھی اگر اس کا بس چلتا تو وہ دن رات زین کو اپنے پاس سلائے رکھتا زین کی گورنس کو تو علی نے کبھی قریب پھٹکنے بھی نہیں دیا تھا وہ خود ہی زین کو فیڈر پلاتا اس کے کپڑے بدلتا پھر پرام میں بیٹھا کر باہر لیجاتا تھا ممی اور اسکی کتنی ہی مرتبہ لڑائی ہوئی تھی کالج سے آنے کے بعد بھی اسکا سارا وقت زین کے ساتھ ہی گزرتا تھا اور پھر جب زین چار سال کا ہوا تو وہ ہمیشہ کیلئے امریکہ چلا گیا تھا اسے آج بھی وہ کربناک رات یاد ہے جب ماما نے اس پر الزام لگا کر نا صرف اسے پٹوایا تھا بلکہ گھر سے بھی نکال دیا تھا۔

"میں یہاں بیٹھ جاؤں" ماضی کی یاد میں گم، ان تکلیف دہ لمحوں کو سوچتے ہوئے علی نے کچھ چونک کر آنکھیں مسلتے ہوئے اپنے سامنے کھڑی لڑکی کی طرف دیکھا تھا جو کہ کارپٹ کی طرف اشارہ کر کے بیٹھنے کی اجازت مانگ رہی تھی علی ایک دم گڑبڑا کر سیدھا ہوا۔

"تم بہت اچھے ہو تم نے مجھ پر احسان کیا ورنہ میں رات کو ٹھنڈ اور خوف کی شدت سے شاید مر جاتی۔"

اپنے ہاتھوں کی انگلیاں چٹخاتے ہوئے وہ خالصتاً امریکن لہجے میں بول رہی تھی۔

میں نے کل رات کو تم پر احسان کیا تھا آئندہ کی امید مت رکھنا اگر تم بہتر فیل کر رہی ہو تو ناشتہ کر لو اور پھر مجھے اپنے گھر کا ایڈریس سمجھاؤ میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں" علی نے بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمے مگر سخت لہجے میں کہا تھا۔

"میرا کوئی گھر نہیں ہے۔"

علی اسے مزید اب یہاں رکھ کر اپنے گلے میں کوئی مصیبت نہیں ڈالنا چاہتا تھا اس لئے رکھائی کے ساتھ اسے چلنے کہہ کر اپنے بیڈ روم کی طرف چلا گیا جب وہ کپڑے چینج کر کے آیا تو وہ نجانے کہاں تھی البتہ احمر بولتا ہوا بلکہ چیختا چلاتا ہوا اس سے آ کر لپٹ گیا تھا۔

"تو چچا بن گیا علی اور میں پاپا۔"

مبارک ہو یار اور یہ بتاؤ فارینہ کیسی ہے؟ بیٹا ہوا یا بیٹی؟؟

''بیٹی ہے اور پتہ ہے علی اتنی پیاری ہے اتنی خوبصورت ہے اتنی کہ''
کچن گلاس وِنڈو سے نظر آتے وجود کو دیکھ کر احمر ایک دم ٹھٹک کر خاموش ہو گیا تھا پھر اس نے جن نگاہوں سے علی کو دیکھا وہ کچھ گڑبڑا سا گیا تھا جبکہ احمر جو بولنا شروع ہوا تو بولتا ہی چلا گیا۔

''نہیں علی تو ایسا نہیں ہوسکتا میرا یار ایسا نہیں ہوسکتا یہ میری معصوم نگاہیں کیا دیکھ رہی ہیں یہ دن دیکھنے سے پہلے میں مر کیوں نہیں گیا۔''

''بکو نہیں یار' میں تمہیں بتاتا ہوں'' علی نے اسے اموشنل ہوتے دیکھ کر ٹوک دیا اور رات والا قصہ من و عن سنا دیا احمر دلچسپی سے سنتا رہا پھر شریر لہجے میں مسکراتے ہوئے بولا!

''اس میں کتنی سچائی ہے؟''

''تم میرے ہاتھوں قتل ہو جاؤ گے احمر! جبکہ میں تمہارے ناپاک خون سے اپنے ہاتھ رنگنا نہیں چاہتا''علی نے دانت پیس کر کہا تھا احمر نے شاندار قسم کا قہقہہ لگایا پھر لہجے میں بے شمار اداسی سمیٹتے ہوئے آہستگی سے بولا!

''یار! مجھے بھی نیکیاں کرنے کا بہت شوق ہے مگر بدقسمتی سے میرے ساتھ اتنے حسین اتفاقات نہیں ہوتے۔''

''ناشتا کرو گے؟'' علی نے اس کی بک بک سے بے زار ہو کر ترشی سے پوچھا تھا۔

''اگر یہ محترمہ ناشتا بنا رہی ہیں تو پھر ضرور کروں گا تمہارے ہاتھ کا کھا کر میں نے مرنا نہیں ہے۔''

''احمر پلیز یار! اپنے پیارے پیارے ہاتھوں سے ایک کپ چائے بنا دو سر درد سے پھٹا جا رہا ہے رات بھر ایک پل بھی آنکھ نہیں لگی'' وہ کنپٹیاں دباتے ہوئے بڑے بڑے خوشامدی لہجے میں بولا تھا۔

''کیوں رات بھر تیمارداری کرتے رہے ہو؟'' احمر کی زبان میں ایک مرتبہ پھر کھجلی ہوئی تھی اسی پل اس کے سیل فون کی بیپ بجی وہ دوسرے ہی لمحے اسپرنگ کی طرح اچھل کر باہر بھاگا۔

''رات کو ملیں گے ابھی میں جا رہا ہوں فارینہ کا فون ہے بہت غصے میں ہے وہ'' احمر کے جانے کے بعد علی تیز تیز قدموں کیساتھ چلتے ہوئے کچن کی طرف آیا وہ گھٹنے پر ٹھوڑی ٹکائے گہری سوچوں میں گم بیٹھی تھی علی کو دیکھ کر سرعت سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چلو''

''کہاں؟'' اس نے حیرت سے علی کی طرف دیکھا تھا۔

''تم کیا بہری ہو؟؟؟'' علی نے تیوری چڑھا کر پوچھا تھا اس نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا!

''تمہارا یہ دوست جس کی بیٹی پیدا ہوئی ہے کیا یہ بچی کیلئے گورنس رکھے گا؟؟'' علی اس کے عجیب و غریب سوال پر حیران رہ گیا تھا تاہم اس نے اسی کھردرے لہجے میں جواب دیا۔

''نہیں''

''اچھا'' وہ قدرے مایوس ہوئی تھی پھر کچھ سوچ کر آہستگی سے بولی'' میرا یہ سیل نمبر ہے اگر اسے گورنس کی ضرورت ہوئی تو پلیز اسے یہ نمبر دے دینا'' علی ناگواری سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''تم اچھے ہو بہت ہی اچھے'' اگر تم اس وقت مجھے چند سو ڈالر ادھار دے دو تو میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی'' وہ سر جھکائے آنسو پیتی بمشکل بولی علی کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ دوڑ گئی اس نے بغیر کچھ کہے والٹ سے پانچ سو ڈالر نکال کر اس کی طرف بڑھائے اس نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے ان کاغذ کے چند ٹکڑوں کو پکڑ لیا اور پھر ٹوٹی ہوئی آواز میں آہستگی سے بولی۔

''تم خود کو تکلیف مت دو میں چلی جاؤں گی''

ایک مرتبہ پھر وہ اسکا شکریہ ادا کر کے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے قریب سے گزرتی چلی گئی تھی۔

جبکہ علی عجیب سی کیفیات سے خالی خالی نظروں سے اس کی کمر دیکھتا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

''وہ حسینہ چلی گئی ؟؟'' احمر نے سوپ کا باؤل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے شرارت سے استفسار کیا تھا علی کی پیشانی پر سلوٹیں نمایاں ہو گئیں۔

''ویسے تم جدائی میں کہیں بیمار تو نہیں پڑ گئے؟''

''فضول بکواس مت کرو'' علی نے ترشی سے کہا''

''تم مانو یا نہ مانو مجھے تو یہ دل کا معاملہ لگ رہا ہے''

احمر مسکراتے ہوئے صوفے پر اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔

''اگر اس وقت فارینہ کا فون نہ آجاتا تو میں اس کا تفصیلی انٹرویو لے لیتا'' احمر نے افسوس سے سر ہلایا۔

''تم کوئی اور بات نہیں کر سکتے ؟'' علی نے جھلا کر کہا تھا احمر کچھ دیر اس کے چہرے کو غور سے دیکھتا رہا اور پھر گہری سانس کھینچ کر آہستگی سے بولا!

''زرینہ آنٹی کا فون آیا تھا''

''کیوں؟؟'' علی کی بھنویں تن سی گئیں۔

''پیسے تو میں ہر مہینے باقاعدگی سے بھجوا رہا ہوں۔''

''سوما کی شادی کی ڈیٹ فکس کر دی ہے انہوں نے اور وہ چاہتی ہیں کہ اسکا بڑا بھائی شادی میں شریک ہو جبکہ انکل بھی اب نہیں ہیں'' احمر نے دھیرے سے کہا!

''اونہہ بڑا بھائی اب کیا ضرورت پیش آگئی ہے ان کو میری'' علی تنفر سے بولا تھا اس کی آنکھیں یک دم بہت ہی سرخ ہو گئی تھیں۔

''سوما اور سوبا تمہاری بہنیں ہیں علی!'' احمر نے ہولے سے اس کے کندھے کو دبایا اور پھر کافی دیر اسے سمجھاتا رہا تھا۔

☆☆☆

دوسری صبح وہ آفس جانے کیلئے تیار ہو رہا تھا جب زین کا فون آگیا زین کا فون آتے ہی اسکی طبیعت ایک دم فریش ہو جاتی تھی۔

''بھائی! آپ ٹھیک ہیں نہ عجیب سا خوفناک دیکھا تھا میں نے کل رات'' زین کے لہجے میں

چھپی ہوئی پریشانی اور محبت کو محسوس کر کے وہ روح تک سرشار ہو گیا تھا۔

"اچھے خواب دیکھا کرو یار! یہ کوئی عمر ہے فضول قسم کے خواب دیکھنے کی" علی نے احتیاط کیساتھ ٹائی کی ناٹ لگائی اور پھر ہیئر برش اٹھا کر بال سنوارنے لگا تھا۔

"اگر خواب ٹوٹ جائیں تو؟؟" زین کے لہجے میں محسوس کی جانے والی آزردگی تھی۔

"تو کیا اس خوف سے لوگ خواب دیکھنا چھوڑ دیتے ہیں؟" وہ چند پل کی خاموشی کے بعد ایک مرتبہ پھر بولا تھا۔

"خواب تو میری جان حوصلہ دیتے ہیں جینے کا' آگے بڑھنے کا' کچھ کر دکھانے کا خواب تو منزل تک لے جانے کا راستہ ہوتے ہیں" پرفیوم سپرے کرنے کے بعد وہ خود کچن میں آ گیا تھا چائے کپ میں انڈیل کر اس نے فرائنگ پین میں آئل ڈالا اور انڈا فرائی کرنے لگا تھا پھر اس نے فریج سے بریڈ نکالی۔

"آپ کیا کر رہے ہیں؟؟" انڈے کی مخصوص شوں شوں کی آواز سن کر زین نے حیرانی سے استفسار کیا تھا۔

"ناشتا بنانے کی کوشش کر رہا ہوں" علی نے احتیاط سے انڈا پلیٹ میں رکھا اور برنر بند کرنے کے بعد ٹرے میں مختصر سا ناشتا سجائے لاؤنج میں آ گیا۔

"آپ کی سہیلی کدھر ہے" زین کا اشارہ احمر کی طرف تھا علی کے ہونٹوں پر جاندار قسم کی مسکراہٹ آ گئی۔

"وہ آج کل بہت مصروف ہے" علی نے زین کو احمر کی مصروفیت کی تفصیل بتائی دوسری طرف زین نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

"ویسے احمر بھائی کیساتھ اچھا نہیں ہوا فارینہ بھابی نے انہیں باورچی اور دھوبی تک بنا دیا ہے اب تو احمر بھائی مونا کو بھی سنبھالتے ہوں گے؟؟"

"نہیں خیر مونا کی دیکھ بھال تو وہ خود ہی کرتی ہے۔"

"بھائی اب آپ بھی شادی کر لیں ناشتہ' کھانا بنانے کے جھنجھٹ سے بچ جائیں گے" زین نے اپنا پسندیدہ ٹاپک چھیڑ دیا تھا وہ اس ٹاپک پر گھنٹوں کے حساب سے بول سکتا تھا لہٰذا خطرہ جان کر علی نے بات کو مختصر کیا اسے ویسے بھی آفس سے دیر ہو رہی تھی الوداعی کلمات کہہ کر اس نے سیل آف کر دیا اور پھر کوٹ اور بریف کیس اٹھا کر دروازہ لاک کر کے باہر نکل گیا تھا۔

آفس میں اسے سر کھجانے کی فرصت نہیں ملی تھی مس ریتا نے دو مرتبہ اسے فارینہ کی کال کے متعلق بتایا تھا مگر وہ اس قدر مصروف تھا کہ فارینہ کی کال اٹینڈ نہ کر سکا لنچ آورز شروع ہوتے ہی تقریباً پورا اسٹاف ڈائننگ ہال چلا گیا تھا علی نے بھی تمام فائلیں سمیٹ کر انکی پیروی کی۔

وہ احمر کی تلاش میں نگاہیں دوڑاتا اپنی مخصوص ٹیبل کی طرف بڑھ گیا کچھ ہی دیر میں احسن صاحب بھی تشریف لے آئے تھے۔

"تمہاری بیگم صاحبہ کا دو مرتبہ فون آیا تھا آج پھر تو کہیں جنگ نہیں کر آئے؟؟"

"کیا کہہ رہی تھی" احمر نے منہ بنا کر پوچھا تھا۔

"خود بات کر لو" علی نے اورنج جوس کا گلاس لبوں سے لگا لیا۔

"میں نہیں کرونگا اسے فون"

"احمر کیا مسئلہ ہے؟" علی کو کچھ تشویش ہوئی تھی۔

"زندگی عذاب بنا دی ہے اس عورت نے میں اسے پاکستان بھجوا رہا ہوں" احمر نے تلخی سے کہا تھا۔

"کیوں؟" علی نے حیرانی سے پوچھا تھا۔

"بہت بدسلیقہ اور پھوہڑ عورت ہے" احمر نے کڑوے لہجے میں کہا تھا۔

آف کے بعد احمر تو گھر چلا گیا مگر وہ یونہی بے معنی سوچوں میں الجھا نیویارک کی سڑکوں پر بے مقصد گھومتا رہا ساڑھے آٹھ بجے وہ تھکا ہارا سا احمر کی طرف چلا آیا تھا احمر اور فارینہ کے جھگڑے نے اسے اچھا خاص پریشان کر دیا تھا۔

علی نے بیل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ دروازہ کھل گیا۔

"علی بھائی آپ" فارینہ خوشی سے چہکی اور پھر بلند آواز میں احمر کو پکارا!

"دیکھیں تو علی بھائی آئے ہیں" احمر بھی بیڈ روم سے آنکھیں ملتا ہوا باہر آیا ان دونوں کے رویوں سے ذرا بھی نہیں لگ رہا تھا کہ چند گھنٹے پہلے دونوں کا جھگڑا ہوا ہے علی نے اپنی حیرت کا اظہار با آواز بلند کر دیا احمر مسلسل دانت نکوستا رہا جبکہ فارینہ منہ بنا کر بولی تھی۔

"پاکستان بھجوانے کی دھمکیاں تو مجھے روزانہ ملتی ہیں میں نے ان کی باتوں پر کبھی دھیان نہیں دیا۔"

فارینہ پہلے سے کافی بااعتماد لگ رہی تھی ورنہ یہی فارینہ صاحبہ جب امریکہ نئی نئی آئی تھیں تو احمر کی ذرا ذرا سی بات پر رو رو کر برا حال کر لیتی تھی پھر علی کو فون پر فون کیے جاتے تھے علی ہی ہمیشہ ان دونوں کی صلح کرواتا جو بات ہمیشہ علی فارینہ کو سمجھایا کرتا تھا وہ اسکی سمجھ میں اب آئی تھی۔

"علی بھائی! یہ صرف ہوائی فائر کرتے ہیں گرج گرج کر ٹھنڈے ہو جاتے ہیں مگر برستے نہیں۔"

"واہ فارینہ تم تو بہت عقل مند ہو گئی ہو" علی اسے سراہے بغیر نہ رہ سکا۔

"یہ تمہاری نصیحتوں کا کمال ہے ورنہ عقل کے معاملے میں یہ پوری ہی ہے" احمر نے قہقہہ لگا کر دھیمی آواز میں کہا تھا فارینہ کچن میں چلی گئی تھی۔

کچھ ہی دیر میں فارینہ نے کھانے لگنے کی اطلاع دی تھی کھانا لگانے کے بعد وہ ان دونوں کیلئے گرما گرم کافی بنا لائی تھی۔

"علی بھائی! اب آپ شادی کر لیں کم از کم میری تنہائی تو دور ہو" فارینہ نے اپنا پسندیدہ موضوع چھیڑ دیا تھا۔

"علی یار تم شادی کے بارے میں سوچو اب ورنہ فارینہ ان دیواروں سے ٹکریں مار مار کر ختم ہو جائے گی اور مجھے خوامخواہ دوسری شادی کے بارے میں سوچنا پڑے گا" احمر نے فارینہ کو تپانے کی کوشش کی اس نے احمر کو محض گھورنے کے بعد علی کی طرف رخ کیا۔

"آپ ایک مرتبہ ہاں تو کر دیں پھر دیکھیے گا میں کتنی اچھی لڑکی تلاش کروں گی آپ کے لئے"

"اپنی جیسی نہ ڈھونڈ لانا علی تو دو دن بھی نہیں رکھے گا اسے' میرے جیسا حوصلہ کسی اور میں نہیں ہے۔"

"آپ مجھے بات کرنے دیں گے بھی یا نہیں" فارینہ سلگ اٹھی تھی۔

"نہیں" احمر نے نفی میں سر ہلایا۔

"میرا خیال ہے کہ موناا ٹھی چکی ہے اسکا سائرن بج رہا ہے" علی نے فارینہ کے غصیلے تیور دیکھ کر فوراً ہی مونا کی طرف متوجہ کر دیا تھا وہ احمر کو غصے سے دیکھتی ہوئی تیزی سے بیڈ روم کی طرف بڑھ گئی۔

فارینہ کے جانے کے بعد احمر ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"زرینہ آنٹی نے آج پھر فون کیا تھا وہ چاہتی ہیں کہ تم سوما کی شادی میں پاکستان آؤ اور ساتھ تمہاری شادی بھی کر دی جائے انہوں نے کچھ تصویریں بھجوائی ہیں تم ان میں سے پسند کر لو" احمر سوچ سوچ کر بول رہا تھا کہ کہیں علی کا پارہ نے چڑھ جائے۔

"تمہاری زرینہ آنٹی کو میرا اتنا خیال کیوں ہے؟" وہ دھیمی آواز میں ترشی سے بولا تھا احمر صوفے سے اٹھ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"انہیں اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا ہے وہ تم سے معافی مانگنا چاہتی ہیں اور پھر معاف کر دینے والے تو بہت اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں علی۔"

"میں بہت کم ظرف' بدکردار ہوں" وہ زیر لب بڑبڑایا اور پھر سرعت کیساتھ اٹھ کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا احمر اسے پکارتا ہی رہ گیا تھا گھر آ کر اسے نے سلگتے ہوئے بے دردی سے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی کوٹ کارپٹ پر پھینکا شرٹ اس انداز میں کھینچ کر اتاری کہ گریبان کے بٹن تک ٹوٹ گئے جوتوں سمیت بیڈ پر ڈھے کر وہ لمبے لمبے سانس لینے لگا تھا دسمبر کی اس سرد ترین رات میں اتنی ٹھنڈ کے باوجود اس کا وجود پسینہ پسینہ تھا آنکھیں اس قدر سرخ تھیں کہ گویا اسی پل خون ٹپک پڑے گا وہ کچھ بھی اس وقت سوچنا نہیں چاہتا تھا مگر زہریلی سوچیں پھن پھیلائے ناگن کی طرح اسے ڈسنے کو تیار تھیں۔

☆☆☆

"یہ تمہاری ممی ہیں" وہ ابھی ابھی کرکٹ کلب سے میچ جیت کر آیا تھا اس کے دائیں ہاتھ میں بیٹ جبکہ بائیں ہاتھ میں ٹرافی تھی آج وہ بے حد خوش تھا اور اس خوشی کو اپنے ڈیڈی کے ساتھ شیئر کرنا چاہتا تھا جب وہ لاؤنج میں داخل ہوا تو اسے کچھ غیر معمولی پن کا احساس ہوا تھا سامنے صوفے پر کامدار کپڑے اور جیولری پہنے مسز زرینہ بیٹھی تھیں اور ان کے برابر ڈیڈی وہ کبھی مسز زرینہ کو دیکھتا اور کبھی ڈیڈی کو وہ اس پزل کو حل نہیں کر پا رہا تھا۔

اس یوں گومگو کی کیفیت میں دیکھ کر ڈیڈی اپنی جگہ سے اٹھے تھے ساتھ میں مسز زرینہ کو بھی کھڑا ہونے کا اشارہ کیا پھر جب انہوں نے تعارف کی رسم نبھائی تو علی پھٹی پھٹی نگاہوں سے ان دونوں کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

"ڈیڈی کیا کہہ رہے ہیں یہ عورت میری ممی ہے" وہ ان دونوں کے جانے کے بعد بھی حیران پریشان سا وہیں کھڑا رہا اس رات پہلی مرتبہ اس نے رت جگے کا عذاب جھیلا پوری رات وہ ایک پل کیلئے بھی نہیں سو سکا۔

دوسری صبح جب وہ اٹھا تو اس کا سر بے حد بوجھل تھا آنکھیں جل رہی تھیں ٹھنڈے پانی سے شاور لے کر اس نے سکول کا یونیفارم پہنا بال بنائے اور جب وہ ڈائننگ ہال میں داخل ہوا تو مسز زرینہ کو دیکھ کر اس کی کنپٹیاں سلگ اٹھیں وہ الٹے قدموں واپس مڑا اور زوردار آواز میں چلایا

"رضیہ میرا ناشتہ کمرے میں لاؤ"

"تم ناشتہ ہمارے ساتھ کرو گے۔" زرینہ نے ایپل جوس کے چھوٹے چھوٹے سپ لیتے ہوئے بے نیازی سے کہا تھا علی نے پلٹ کر اک سلگتی نگاہ زرینہ کے چہرے پر ڈالی۔

"میں تمہاری صورت نہیں دیکھنا چاہتا مجھ سے بات کرنے کی کوشش مت کرنا۔"

"تمیز کے دائرے میں رہ کر بات کرو" زرینہ نے ناک چڑھا کر تلخی سے کہا تھا اسی پل زرینہ کی ہم شکل اک اور لڑکی ڈائننگ روم میں داخل ہوئی تھی "آپی یہ صبح صبح کس پر چلا رہی ہیں؟"

"یہ حارث کا بیٹا ہے" زرینہ بہن کا سوال نظر انداز کر کے قہقہہ لگاتے ہوئے بولی!

"اوہو" تہمینہ نے ہونٹ سکیڑے اور پھر بڑی ادا کے ساتھ بولی تھی۔

"ہائی علی کیسے ہو تم؟ تم کو ملنے تم کو دیکھنے کیلئے بہت بے چین تھی میں"

"بے غیرت عورتیں" وہ منہ میں بڑبڑاتا بغیر ناشتہ کئے سکول چلا گیا تھا مگر سکول جا کر اسے دوہری تکلیف کا سامنا کرنا پڑا تھا اس کے دوست کلاس فیلوز نے اس ڈیڈی کی شادی کی مبارک باد فرداً فرداً دی تھی وہ سب اس کا مذاق اڑاتے رہے تھے اس پر ہنستے رہے۔ تھے وہ سکول میں سب سے الگ تھلگ رہا تھا کسی۔ نے بات کرنے کی کوشش نہیں کی گھر آ کر وہ سیدھا اپنے بیڈ روم میں چلا گیا بیگ پھینک کر جوں ہی اس نے سامنے دیوار پر ٹنگی تصویر کو دیکھا تو مارے غصے کے اسکی کنپٹیاں سلگ کر رہ گئیں اس کی ماما کی تصویر غائب تھی اور زرینہ کی تصویر گویا اس کا مذاق اڑا رہی تھی اس نے ہاتھ بڑھا کر تصویر اتاری اور لاؤنج میں جا کر پوری قوت سے دیوار پر دے ماری "میرے بیڈ روم میں قدم رکھنے کی جرأت مت کرنا" علی نے قدرے چلا کر کہا تھا زرینہ غصیلے تیوروں کے ساتھ اسے دیکھتی رہی "گھر میری آپی کا ہے اس کی مالک میری آپی ہیں تمہارے باپ نے اس گھر کو آپی کی ملکیت میں دیدیا ہے آئندہ اس لہجے میں میری بہن سے بات کرنے کی کوشش مت کرنا ورنہ اس گھر سے نکالنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی منٹوں میں بے دخل کر دیئے جاؤ گے ہر چیز سے" تہمینہ ہاتھ نچاتے ہوئے غصے سے چلائی تھی' پھر نہ جانے کیا کیا جھوٹ سچ ملا کر انہوں نے ڈیڈی کو بتایا تھا ڈیڈی اس سے بے حد متنفر ہو گئے تھے انہوں نے اس سے بات کرنا چھوڑ دی تھی علی ان سے بات کرنے کی کوشش کرتا تو وہ اسے جھڑک دیتے ڈیڈی کے پاس اب اس کیلئے وقت نہیں تھا اس کی مما کی نرس کو وہ اپنی بیوی بنا کر بے حد مصروف ہو گئے تھے پھر ان مصروفیات کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا سوما' سوہا کی پیدائش کے بعد زرینہ کی حیثیت مزید مستحکم ہو گئی تھی۔

زرینہ نے اسکی پاکٹ منی بند کروا دی تھی۔

آہستہ آہستہ اس کی سوشل لائف بالکل ختم ہوگئی تھی اس نے دوستوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا کالج سے گھر آنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں بند رہتا تھا اس دن موسم بہت خوشگوار تھا پہلے تو وہ کسلمندی سے بستر پر پڑا رہا پھر اٹھ کر لان کی طرف چلا گیا سرسبز و شاداب گھاس پر چت لیٹ کر آسمان پر بادلوں کو دیکھتا رہا تہمینہ نے اسے لان میں دیکھ کر باہر جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور لان میں اس کے پاس چلی آئی۔

''مجھے ذرا مارکیٹ تک لے جاؤ'' شولڈر کٹ سیاہ بالوں میں ہاتھ چلاتے ہوئے وہ تحکم سے بولی تھی علی نے ترچھی نظروں سے تہمینہ کی طرف دیکھا۔

''میں تمہارا ڈرائیور نہیں ہوں''

''تمہیں ڈرائیور کون کافر بنانا چاہتا ہے'' وہ معنی خیزی سے مسکراتے ہوئے بولی تہمینہ کے انداز کچھ دنوں سے بدلے بدلے محسوس ہو رہے تھے وہ زیادہ سے زیادہ علی کے قریب رہنے کی کوشش کرتی تھی آتے جاتے شوخ فقرے اچھالے جاتے تھے علی اس کے حرکتوں سے سخت بے زار تھا

''علی کیا ہم اچھے دوست نہیں بن سکتے ؟؟''

''دوست'' وہ استہزائیہ ہنستے ہوئے اک پل کو رکا۔

''میں تم دونوں بہنوں کو اپنا دشمن سمجھتا ہوں''

''اگر تم میرے ساتھ دوستی کر لو تو فائدے میں ہی رہو گے'' وہ اس کے سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی اور کچھ پل اس کے وجیہ چہرے کی طرف دیکھنے کے بعد نظریں مور پنکھ کے پودے پر ٹکا دیں۔

''آئی لو یو علی!'' اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولا۔

''واٹ'' علی کو گویا کرنٹ سا لگا وہ اچھل کر دو قدم پیچھے چلا گیا۔

''میں تم سے بہت پیار کرتی ہوں اگر تم مجھ سے شادی کر لو تو یہ گھر ایک مرتبہ پھر تمہارا ہو جائے گا۔''

''یہ کیا بکواس ہے؟'' علی نے بے یقینی سے تہمینہ کی طرف دیکھا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں اور آپی بھی یہی چاہتی ہیں۔''

''اوہ تو گویا دونوں بہنوں کی پلاننگ ہے کیا ڈیڈی بھی اس منصوبے میں شریک ہیں' علی نے غصے پر قابو پاتے ہوئے حتی الامکان نرمی سے پوچھا تھا۔

''نہیں' ویسے تم فکر مت کرو انہیں منانا آپی کا کام ہے'' تہمینہ مطمئن تھی۔

''چلو میں تمہیں مارکیٹ تک چھوڑ آتا ہوں''

اس نے کچھ پل سوچنے کے بعد دھیرے سے کہا تہمینہ کھل اٹھی تھی۔

''کیا تم ہمیشہ کیلئے میرا ڈرائیور بننے کیلئے تیار ہو؟''

''نہیں'' وہ مختصر بولا تھا تہمینہ اس کے واضح انکار پر حق دق رہ گئی اس کے چہرے کا رنگ زردی مائل ہو گیا تھا۔

''میں تمہارا ڈرائیور نہیں دوست ہوں اور اس سے آگے کا فیصلہ ڈیڈی کرینگے'' وہ مسکراتے

ہوئے کہہ رہا تھا تہمینہ کا منہ حیرت کے مارے کھل گیا اس کی اور تہمینہ کی دوستی نے زرینہ کے کندھوں سے بھاری بوجھ ہٹا دیا تھا اب وہ اپنی من پسند بساط بچھا سکتی تھی اس کے تمام مہرے اس کے ہاتھ میں تھے تہمینہ کو علی کی طرف مائل کر کے وہ خود بہت مطمئن تھی وہ دونوں ایک ساتھ کالج کیلئے نکلتے تھے اور واپسی پر علی اسے پک کر لیتا تھا۔ تہمینہ نے علی سے اپنے گزشتہ رویئے کی معافی مانگ لی تھی

تہمینہ نے ہی اسے بتایا تھا کہ زرینہ اس کی سوتیلی بہن ہے اور یہ کہ وہ صرف اور صرف زرینہ کو خوش کرنے کیلئے علی کے ساتھ تلخ کلامی کرتی رہی ہے علی کبھی بھی اس کی کسی بات پر یقین نہ کرتا اگر اس سے خود تہمینہ کی چند ایک باتیں نہ بن لی ہوتیں واقعی بے بس اور مجبور تھی زرینہ کے رحم و کرم پر تھی تہمینہ نے اسے بتایا تھا کہ زرینہ ڈیڈی کی فیکٹری کو اپنے نام کروانے کے چکر میں ہے ادھر زرینہ گویا سب کچھ طے کئے بیٹھی تھی اس نے چھوٹا فنکشن ارینج کر کے علی اور تہمینہ کی منگنی کا اعلان کر دیا تھا۔

تہمینہ بہت شوخ اور چنچل طبیعت کی مالک تھی جبکہ علی شروع سے ہی بہت سنجیدہ مزاج کا تھا پہلے مما کی بیماری کی وجہ سے بہت ڈرا سہما اور خاموش رہتا تھا پھر ان کی وفات کے بعد وہ بالکل ہی گم سم ہو کر رہ گیا۔

ان دنوں زرینہ کا رویہ اس کے ساتھ اچھا تھا پہلے کی طرح طنزیہ گفتگو اور بات بات پر فساد مچانا ترک کر دیا تھا اس نے۔ سوہا' سوما بھی بھائی بھائی کرتی اس کے آگے پیچھے پھرنے لگی تھیں زرینہ انہیں علی سے بولنے اور باہر جانے سے نہیں روکتی تھی علی اکثر ان دونوں کو ہوم ورک خود کروا دیتا تھا اور بائیک پر باہر گھما تا بھی تھا کبھی کبھی تہمینہ بھی ساتھ ہی چلی جاتی تھی اس طرح وقت دبے پاؤں گزر رہا تھا۔

اس پرسکون جھیل میں کنکر زین کی آمد سے پڑا تھا۔

زرینہ نے ایک مرتبہ پھر پر پرزے نکال لئے تھے ایک مرتبہ پھر زرینہ اور اسکی لڑائی سے گھر کا ماحول خراب ہونے لگا تھا زرینہ اپنی فطرت کے عین مطابق ڈیڈی کو اس کے خلاف بھڑکانا شروع کر چکی تھی اور جب ڈیڈی اس کو ڈانٹتے تو تہمینہ کے تاثرات بہت عجیب سے ہوتے تھے۔

سوہا' سوما اس سے کھنچی کھنچی رہنے لگی تھیں وہ بھی اب ان دونوں سے بات چیت نہیں کرتا تھا البتہ زین سے وہ اول روز کی طرح پیار کرتا تھا زین کی بیماری کے متعلق جان لینے کے بعد تو وہ اسے اور پیارا ہو گیا تھا اس کی معصوم ہنسی' اس کے آنسو' اسکی توتلی زبان سے ادا ہونے والے حسین الفاظ علی اس کی ایک ایک ادا پر فدا تھا کبھی کبھی تو تہمینہ اس سے الجھ پڑتی ''علی تم زین سے اتنا پیار مت کرو میں خوامخواہ اس معصوم سے جیلس ہوتی رہتی ہوں'' زین ساڑھے تین سال کا ہوا تو ڈیڈی بیمار پڑ گئے اس دوران وہ ہی زین کو ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کروانے لے کر جاتا تھا۔

وہ دن اتوار کا تھا علی زین کے معالج ڈاکٹر احسن سے مل کر گھر آیا تو خلاف معمول گھر میں چھائے سناٹے کو محسوس کر کے حیران ہوا رضیہ اور بشیر نجانے کہاں تھے اس نے سوہا اور سوما کے بیڈ روم میں جھانکا اور پھر کچھ سوچ کر تہمینہ کے بیڈ روم میں آ گیا تہمینہ شاید اپنی کسی دوست کے ساتھ

احمر نے اس کے شانے پر جھانپڑ رسید کیا تو وہ ہنستا ہوا جیکٹ اٹھائے باہر چلا گیا۔

چند ایک ضروری کام نپٹانے کے بعد اس نے زین کے اکاؤنٹ میں ساڑھے تین لاکھ روپے کی رقم مزید جمع کروادی وہ بنک کی شاندار عمارت سے باہر نکلا تو ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو چکی تھی وہ گھر جانے کے بجائے یوٹیلٹی سٹور پر چلا آیا راشن تقریباً ختم تھا اپنے ہی دھیان میں وہ پاکٹ سے لسٹ نکالے حساب کتاب میں مشغول تھا پھر ضرورت کی تمام چیزیں ٹرالی میں ڈال کر کاؤنٹر پر آیا تو اسی لڑکی کو دیکھ کر ٹھٹک گیا وہ اسے پہچان چکی تھی اسی لئے نرم سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر ٹھہر گئی اس نے برق رفتاری سے بل بنا کر اس کے سامنے کیا اور پھر دھیرے سے بولی!

''میں دو مرتبہ تمہارے گھر گئی تھی مگر تم مجھے نہیں مل سکے اسی لئے تمہاری امانت دروازے میں رکھ کر آ گئی۔ کیا تمہیں وہ سفید لفافہ مل گیا؟''

''ہاں'' میں آہستگی سے بولا!

''تم نے پیسے کیوں لوٹائے؟ رہنے دیتیں۔ معمولی سی رقم تھی۔'' والٹ سے رقم نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ بولا نجانے کیوں اس کا دل اس کے ساتھ مزید باتیں کرنے کو چاہ رہا تھا وہ دھیرے سے مسکرائی۔

''میں نے پیسے لوٹا دینے کی نیت سے لئے تھے''

چونکہ علی پے منٹ کر چکا تھا اس کا کام ختم ہو گیا تھا لہٰذا وہ دوسرے کسٹمرز کی طرف متوجہ ہو گئی تھی علی بے دلی سے سامان اٹھا کر گاڑی کی طرف بڑھا گھر جا کر بھی وہ اسی کے متعلق سوچتا رہا تھا وہ لڑکی اسے بہت مختلف لگی تھی۔

اگلے بہت سارے دن بے حد مصروف گزرے تھے وہ احمر کے گھر بھی نہیں جا سکا تھا اس دن بھی آفس سے واپسی پر اس نے اپنی کولیگ مسز سیماتھ کی عیادت کے بارے میں سوچا مگر بھلا ہو اس بارش کا جو ساون کی بارشوں کی یاد دلاتی تھی ایسی ٹوٹ کر بارش برسی اور بادل بھی گرجے وہ اپنے ہی دھیان میں گاڑی چلا رہا تھا کہ روڈ کراس کرنے کے چکر میں وہ لڑکی عین سڑک کے وسط میں آن کھڑی ہوئی اگر علی بروقت بریک نہ لگاتا تو یقیناً اس نے بری طرح اسکی گاڑی کے نیچے آ کر کچلا جانا تھا اور پھر یہاں کے قانون بھی بہت سخت تھے یہ لڑکی خود تو مرتی ساتھ اسے بھی پھانسی کے پھندے تک پہنچا دیتی علی بے حد غصے کے عالم میں گاڑی سائیڈ پر کھڑی کر کے باہر نکلا مگر اسے دیکھ کر یک دم ہی اسے خوشگوار حیرت نے گھیر لیا۔

''چوٹ تو نہیں لگی'' علی نے کچھ فکرمندی سے پوچھا

''نہیں'' وہ شرمندہ شرمندہ سی بولی!

''کہاں جا رہی ہو آؤ میں تمہیں ڈراپ کر دیتا ہوں'' علی اس کے گھبرائے گھبرائے چہرے کو دلچسپی سے دیکھ رہا تھا ایسے پیس کی یورپ موجودگی علی کو حیران کر رہی تھی۔

''شکریہ میں چلی جاؤں گی'' اس نے جھک کر سڑک سے اپنے بیگ کو اٹھایا۔

''بارش بہت تیز ہے تمہارے ساتھ ساتھ میں بھی بھیگ رہا ہوں آؤ پلیز بیٹھو'' علی نے فرنٹ ڈور کھول کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی وہ تذبذب کا شکار دھیرے دھیرے چلتی گاڑی میں بیٹھ گئی

''تمہارا نام کیا ہے؟'' علی کو اچانک خیال آیا تھا سو پوچھ بیٹھا۔

''پہلے سونیا تھا اب عائشہ ہوں''

''کیا مطلب؟'' علی نے کچھ چونک اس کی طرف دیکھا۔

''پہلے عیسائی تھی اور اب مسلمان ہوں'' علی کے ہاتھ سے سٹیرنگ چھوٹنے لگا تھا۔

''تم مسلمان ہو چکی ہو'' علی کو فطری خوشی ہوئی۔

''ہاں'' وہ مختصر جواب دیکھ کر ادھر ادھر کے نظارے دیکھنے لگی۔

''کب سے؟''

''ڈیڑھ سال ہو گیا''

''تم نے اسلام کو کیسا مذہب پایا؟''

''مکمل اور جامع یہ ایسا مذہب ہے جو فلاح کی طرف لے کر جاتا ہے''

''تمہیں اسلام کی طرف کس نے مائل کیا تھا؟'' وہ سوال پر سوال کئے جا رہا تھا اس پل علی کے دل کی حالت عجیب سی تھی وہ اپنی کیفیت سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

''میرے دل نے اور ثریا آنٹی نے وہ مسلم لیڈی تھیں اب انکا انتقال ہو چکا ہے''

''جب تم نے اسلام قبول کیا تو تمہاری فیملی کا کیا ردعمل تھا؟'' علی نے کچھ دیر سوچنے کے بعد آہستگی سے کہا تھا!

''میری فیملی نہیں ہے'' عائشہ اسی بے نیازی سے بولی!

''تم کس کے ساتھ رہتی ہو؟''

''تنہائی کے ساتھ میرا مطلب ہے اکیلی رہتی ہوں'' بارش اب بھی برس رہی تھی ٹھنڈک میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

''بس یہیں اتار دو'' عائشہ نے نرم لہجے میں کہا پھر شکریہ ادا کر کے باہر نکل گئی علی نے چند پل اسے دیکھنے کے بعد گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

گھر پہنچ کر اس نے تمام سامان کچن میں رکھا تھا پہلی مرتبہ علی کو گھر میں چھائے ہوئے سناٹے سے وحشت ہوئی وہ لاشعوری طور پر عائشہ کے متعلق ہی سوچتا رہا تھا رات کو بستر پر لیٹا تو چھم سے اس کا نازک سراپا آنکھوں کے سامنے آ گیا وہ کچھ گھبرائے ہوئے اٹھ بیٹھا اس بستر پر کچھ عرصہ پہلے عائشہ کا بے ہوش وجود پڑا تھا علی اچانک وہ واقعہ پوری جزئیات کے ساتھ یاد آ گیا تھا حالانکہ وہ انگریز لڑکی اس کے دماغ سے بالکل غائب ہو چکی تھی اس کے باوجود وہ پہلی نظر میں ہی اسے پہچان چکا تھا پھر ایک دم کلک سے اس کے دماغ میں کچھ روشن ہوا تھا وہ سرعت کے ساتھ اٹھا اور کچن کی طرف بڑھا مختلف کیبنٹ کھولتے ہوئے اس کی نگاہوں کی زد میں وہ کاغذ آ گیا جس پر عائشہ نے اپنا نمبر لکھا تھا اس کے ساتھ ہی اسے عائشہ سے ہونیوالی تمام باتیں یاد آ گئیں۔

''تو کیا عائشہ اردو سمجھتی ہے'' وہ حیرت اور بے یقینی کے عالم میں تمام باتیں سوچتا رہا احمر اور وہ اردو میں باتیں کر رہے تھے اور عائشہ اس وقت کچن میں تھی وہ ان کی تمام باتیں سن اور سمجھ چکی تھی اسی لئے اس نے علی سے احمر کی بیٹی کی گورنس کی جاب کی بات کی تھی آج کی رات ایک مرتبہ پھر

اس کی آنکھوں سے نیند غائب تھی اور وہ پہلی مرتبہ کسی لڑکی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

مسٹر پال کے سٹور پر اسے جاب مل گئی تھی اس کے لئے یہ معمولی سی جاب بھی بہت تھی وہ صبح نماز پڑھ کر آنٹی روتھ کا ناشتہ بناتی گھر سمیٹتی اور جاب پر چلی جاتی تھی آنٹی روتھ ساٹھ سالہ معذور خاتون تھی اور انہوں نے ایک کمرہ عائشہ کو کرائے پر دے رکھا تھا وہ بڑا مناسب سا کرایہ لیتی تھیں کیونکہ عائشہ ان کے گھر کا سارا کام خود ہی کرتی تھی' اس کا دن بہت ہی مصروف گزرتا تھا آج جب وہ گھر آئی تو پہلے کی طرح ہشاش بشاش نہیں تھی۔

مختلف سوچوں نے اس کو الجھایا ہوا تھا وہ علی کے بارے میں سوچ رہی تھی' وہ ایشین کس قدر مہربان تھا اس نے نا صرف اسے ایک رات اپنے گھر میں رکھا بلکہ اسے چند سے ڈالر ادھار بھی دیئے عائشہ اس وقت بہت بے بس تھی اس کے پاس ایک چھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی اس کے پرس میں جتنے ڈالر تھے وہ چند سفید فام لڑکوں نے چھین لئے تھے وہ کس مشکل سے جان بچا کر تاریکی میں چھپی بیٹھی تھی اس کا دل پتے کی طرح کانپ رہا تھا اور وہ دل ہی دل میں قرآنی آیات کا ورد کرتے ہوئے اللہ سے حفاظت طلب کر رہی تھی قرآن پاک کے تیسویں پارے کی کچھ سورتیں آنٹی ثریا نے اسے یاد کروا دی تھیں اس نے بہت جلد چھوٹی چھوٹی صورتیں حفظ کر لی تھیں وہ روزانہ رات کو سونے سے پہلے آیات کا ورد ضرور کرتی تھی یہاں تک کہ وہ اس کے حافظے میں محفوظ ہو گئی تھیں۔

ثریا آنٹی نے ہی اسے نماز پڑھنی سکھائی تھی شروع میں بہت غلطیاں کرتی تھی سلام پھیرنے سے پہلے ہی بول پڑتی تھی یا پھر رکعتیں بھول جاتی تھی جب عائشہ نے پہلی بار روزہ رکھا تو وہ دن بھر نقاہت کے باعث بستر سے نہ اٹھ سکی تھی ثریا آنٹی اسے صبر کرنے کی تلقین کرتی تھیں اور عائشہ تو اس وقت بھی بہت صابر تھی جب وہ سویٹا تھی بھوک اس کیلئے کوئی نئی چیز نہیں تھی اس نے پچھلی تمام زندگی ایک وقت کا کھانا کھایا تھا اور دوسرے وقت نہیں ملا تو صبر کیا کبھی کبھی جینی بہت حیرانی سے کہتی تھی۔

''سویٹا تم سے بھوک کیسے برداشت ہوتی ہے''

جینی اس قسم کے سوالات اکثر کرتی رہتی تھی جینی کی یاد میں اکثر اس کی آنکھیں نم ہو جاتی تھیں

''آئشہ تم روئی ہو؟'' آنٹی روتھ اس کی بھیگی پلکوں کو دیکھ کر حیرانی سے پوچھا کرتی تھیں اور وہ بے اختیار اثبات میں سر ہلا دیتی تھی اس وقت بھی وہ جینی کو یاد کر کے بے اختیار رو دی تھی آنٹی روتھ نے وہیل چیئر گھسیٹتے ہوئے اس کے کمرے میں جھانکا۔

''اے آشہ تم نے کھایا؟'' آنٹی روتھ نے اس سے نرمی سے استفسار کیا عائشہ نے ہاتھ کی پشت سے پلکیں صاف کر کے ان کی طرف دیکھا۔

''آنٹی میں تھوڑی دیر بعد کھا لوں گی ابھی دل نہیں چاہ رہا'' آنٹی کو ٹال کر وہ بستر پر لیٹ گئی تھی اور چادر سے منہ ڈھانپ لیا تھا آنٹی سر ہلاتی پلٹ گئیں۔

اگلی صبح وہ معمول کے کام نبٹا کر جاب پر چلی گئی تھی وہ روزانہ اس امید پر سٹور میں داخل ہوتی تھی کہ آج وہ ضرور آئے گا بڑی آس بھری نظروں سے سٹور میں داخل ہو کر ہر کسٹمر کو دیکھا کرتی تھی

اس ایشین کی پاکیزہ نگاہیں اور دلکش لب و لہجہ یاد آتا دل نجانے کیوں ایک پل کیلئے دھڑکنا بھول جاتا تھا۔

پہلی ملاقات میں وہ اسے کافی مغرور اور خود پسند سا لگا تھا مگر وہ ایسا نہیں تھا اس وقت بھی وہ بے خیالی میں علی کے متعلق ہی سوچے جا رہی تھی کہ وہ اچانک اس کے بالکل سامنے آ گیا عائشہ کی آنکھیں جگمگانے لگی تھیں۔

''میں دو گھنٹے میں تمہیں لینے آ ؤں گا'' علی دھیمی سے آواز میں بولتا ہوا کتنا اچھا لگ رہا تھا اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

پھر جب وہ اس کے ہمراہ ایک معیاری ریسٹورنٹ میں گئی تو اس کا دل خوشی کے احساس سے لبریز تھا وہ بار بار چور نگاہوں سے علی کی طرف دیکھ رہی تھی ''کیسی ہو عائشہ؟'' علی نے اس کے گلابی مائل سفید چہرے کو نگاہوں میں مقید کر کے اردو میں بات کا آغاز کیا عائشہ نے بے حد حیرانی سے علی کی طرف دیکھا اور پھر قدرے جھینپتے ہوئے بولی!

''ٹھیک ہوں''

'میں نے تمہاری خیریت دریافت کی ہے میری خیریت نہیں پوچھو گی؟''

''تم کیسے ہو علی' اس نے سر جھکا کر آہستگی سے کہا!

''تم نہیں' آپ ہمارے ہاں بڑوں کو بلانے کا الگ طریقہ ہے ادب لحاظ کے دائرے میں رہ کر بات کرتے ہیں' وہ آنکھوں میں شرارت لئے اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں سے محظوظ ہو رہا تھا۔

''جاب کیسی جا رہی ہے تمہاری؟''

''اچھی' وہ انگلیاں مروڑتے ہوئے حد درجہ نروس تھی علی نے مسکراتے ہوئے اپنے لہجے کی ٹون کو بدلا اور انگریزی میں بولا!

''مجھ سے شادی کرو گی؟'' اب وہ بوکھلاتے ہوئے کھڑی ہو گئی زندگی میں پہلی بار کسی مرد نے اس سے ایسی بات کی تھی۔

''تم سوچ کر جواب دینا' صرف چند دنوں میں علی کی دنیا بدل گئی تھی چند لمحے لگے تھے اسے فیصلہ کرتے ہوئے۔

''چلیں؟؟'' وہ نظریں چراتے ہوئے آہستگی سے بولی تھی اس کا دل اتنی زور سے دھڑک رہا تھا گویا ابھی پسلیاں توڑ کر باہر آ جائے گا۔

گھر آ کر بھی وہ آنٹی روتھ سے چھپتی پھر رہی تھی مبادا وہ اس کے چہرے پر پھیلے حسین رنگوں کو نہ دیکھ لیں۔

وہ کچن میں گھسی کھانا بنا رہی تھی اور اس دوران اس کے ہاتھ سے دو پلیٹیں اور تین کپ گر کر ٹوٹے تھے۔

اب تو آنٹی روتھ کو بھی تشویش لاحق ہو گئی تھی۔

''آشہ تم ٹھیک تو ہو نا؟''

''مم میں ٹھیک ہوں آنٹی'' اس نے بوکھلاتے ہوئے آہستگی سے کہا پورے دو دن کے بعد وہ ایک مرتبہ پھر اس کے سامنے تھا۔

''تمہارے حضور ایک درخواست پیش کی تھی''

''کیا؟'' عائشہ اس کا مطلب نہیں سمجھی تھی اتنی خالص اردو اس کے سر پر سے گزر گئی تھی علی نے اسکی مادری زبان میں اپنا سوال ایک مرتبہ پھر دہرایا عائشہ کی پلکیں لرزنے لگی تھیں علی بے حد دلچسپی سے اس کے حسین چہرے کی طرف دیکھتا رہا علی کو جواب مل چکا تھا وہ مسکراتے ہوئے اٹھا تو عائشہ نے بھی اسکی پیروی کی۔

☆☆☆

ان کا نکاح احمر کے گھر میں ہوا تھا احمر کی بیوی فارینہ نے اسے مکمل دلہن کی طرح سجا ڈالا تھا ریڈ کلر کے دیدہ زیب سوٹ میں سجی بنی وہ انتہائی خوبصورت لگ رہی تھی فارینہ نے بے ساختہ اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

علی اور احمر کے کچھ جاننے والوں اور دوستوں کی فیملیز کو انوائٹ کیا گیا تھا نکاح کے بعد کھانا کھا کر وہ سب تو چلے گئے اب علی بھی اجازت مانگنے کے چکر میں تھا۔

''بہت چھپے رستم نکلے علی تم نے تو حتیٰ کہ یاروں کو بھی خبر نہیں ہونے دی'' احمر نے مصنوعی خفگی سے چوتھی مرتبہ کہا تھا اور علی جواباً مسکراتا رہا۔

جب وہ عائشہ کے ہمراہ اپنے فلیٹ میں داخل ہوا تو ڈھیروں گلاب کی پتیاں ان کے سروں پر برسنے لگیں فارینہ نے گھر کی سیٹنگ یکسر بدل دی تھی بیڈروم کو بھی پھولوں سے سجایا گیا تھا۔

''آج اس سرزمین پر مجھ سے زیادہ خوش قسمت کوئی نہیں ہوگا اہل مغرب کی عورتوں میں سے سب سے منفرد عورت اللہ نے مجھے بخش دی ہے'' وہ اس کا نرم و گداز ہاتھ تھام کر بڑی محبت کے ساتھ کہہ رہا تھا اگلی صبح بے حد روشن اور حسین تھی فارینہ اور احمر ان کا ناشتہ لے کر آئے تھے اور پھر لنچ اور ڈنر بھی انہوں نے انہی کی طرف کیا تھا۔

وہ ہنی مون منانے کیلئے لندن گئے تھے اور پھر پندرہ دن بعد انکی واپسی ہوئی۔ گھر آ کر ایک مرتبہ پھر روٹین لائف شروع ہو گئی علی صبح آفس جاتا تو پھر رات کو ہی اس کی واپسی ہوتی عائشہ سارا دن گھر کے چھوٹے موٹے کاموں میں خود کو مصروف رکھتی تھی اگر فارغ ہوتی تو فارینہ کی طرف چلی جاتی یا پھر فارینہ اور مونا ادھر آ جاتے ان دنوں وہ فارینہ سے پاکستانی کھانوں کی ریسپیز سیکھ رہی تھی پہلی بار فارینہ نے اسے دہی بڑے بنانے سکھائے تھے اور پھر حلیم اور کوفتوں کے بعد وہ کڑھی بنانا سیکھ رہی تھی گھر کو سجانے سنوارنے کے علاوہ اسے علی کا انتظار کرنا بھی بے حد پسند تھا وہ بار بار گلاس ونڈو سے بھاری کرٹن اٹھا کر نیچے پارکنگ میں جھانکتی کبھی کلاک کی طرف دیکھتی یا پھر فون پر فارینہ سے باتیں کر کے ٹائم گزارتی اس وقت بھی وہ علی کے جانے کے بعد معمول کے کام کر کے علی کی شرٹس پریس کر رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی دوسری طرف کوئی لڑکا تھا جو بہت اچھی انگلش میں اس سے پوچھ رہا تھا کہ آپ کیسی ہیں کیا کرتی ہیں' بھائی خوش ہیں؟ انہیں خوش رکھا کریں۔ وہ بہت باتونی لڑکا تھا عائشہ کو بولنے کا موقع ہی نہیں دے رہا تھا البتہ عائشہ کو اس سے بات کر کے کافی اچھا

لگا رات کو علی آیا تو اس کے ہاتھ سے کوٹ اور بریف کیس تھامتے ہوئے وہ بڑے جوش سے اسے زین کے فون کے متعلق بتانے لگی علی دلچسپی سے سنتا رہا۔

''آج باتیں ہی کھانے کو ملیں گی؟ پہلے زین کا فون سنتی رہی پھر کپڑے پریس کرتی رہی'' وہ شرمندگی کے عالم میں بولتی ہوئی کچن کی طرف بھاگی علی بھی اس کے پیچھے ہی آ گیا تھا۔

''کیا پکاؤں'' وہ پریشانی کے عالم میں فریج میں سر گھسائے ہوئے بولی تھی علی نے فریج سے تین انڈے نکالے اور پیاز اس کے ہاتھ میں پکڑائی۔

''تم پیاز کاٹو اور میں اتنے میں انڈے پھینٹتا ہوں'' عائشہ سر ہلا کر پیاز اور چھری سنبھالے بیٹھ گئی تھی علی نے انڈے پھینٹ کر ٹماٹر کاٹے کالی مرچیں' نمک انڈے میں ڈال کر اسے مکس کیا پھر عائشہ کی تلاش میں لاؤنج کی طرف آیا تو وہ آنسو بہا کر سوں سوں کرتے ہوئے پیاز کاٹنے میں ہلکان ہو رہی تھی۔

''لاؤ مجھے دو'' علی نے ہنستے ہوئے اس کے ہاتھ سے پیاز اور چھری پکڑ لی پھر اس نے آملیٹ بنایا اور عائشہ نے روٹی پکائی تھی۔

کھانا کھانے کے بعد علی کمپیوٹر کے سامنے جم کر بیٹھ گیا وہ وضو کر کے قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگی تھی۔

ثریا آنٹی کا یہ معمول تھا کہ وہ سونے سے پہلے قرآن پاک کی تلاوت ضرور کرتی تھی عائشہ نے بہت سے عادتیں ثریا آنٹی کی اپنائی تھیں۔

جب اس نے اسلام قبول کیا تھا تب بہت سی مشکلات کا اسے سامنا کرنا پڑا تھا جس ہوٹل میں وہ جاب کرتی تھی نا صرف وہاں کے منیجر نے اسے جاب سے نکالا بلکہ دو مہینے کی تنخواہ تک نہیں دی تھی بہت عرصہ تک وہ سڑکوں پر ماری ماری پھرتی رہی نئی جاب کیساتھ کچھ پریشانی کم ہوئی تو ثریا آنٹی کی طبیعت خراب رہنے لگی پھر چھ ماہ کے قلیل عرصے میں وہ اس جہان فانی سے رخصت ہو گئیں ثریا آنٹی کی وصیت کے مطابق انکی بیٹی انہیں پاکستان دفنانے چلی گئی تھی اور جانے سے پہلے انہوں نے عائشہ کو گھر خالی کرنے کا حکم بھی دیا تھا۔

اس نے قرآن پاک جزدان میں لپیٹ کر الماری میں رکھا اور اپنے بیڈ روم میں آ گئی علی نے اس کو دیکھ کر فائلیں بریف کیس میں رکھ دی تھیں عائشہ اس کے قریب صوفے پر بیٹھ گئی۔

''علی ایک بات کہوں برا تو نہیں مانیں گے؟''

''میری جان تم ایک نہیں سو باتیں کہو'' علی نے سر اسکی گود میں رکھ کر آنکھیں موند لی تھیں۔

''آپ نے کبھی محبت کی ہے؟'' وہ بے خیالی میں اس کے گھنے سیاہ بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے آہستگی سے بولی تھی۔

''محبت'' علی نے اس کا نرم و ملائم ہاتھ تھام کر لبوں سے لگا لیا تھا پھر دائیں ہاتھ سے اس کے ریشمی گال کو چھو کر بولا!

''ہاں تم سے محبت کی ہے میں نے''

''علی! آپ مجھے یوں ہی چاہتے رہیں گے'' وہ اس سے نجانے کون سی یقین دہانی چاہتی تھی

زین کی طبیعت زیادہ بگڑنے لگی تھی' زرینہ اس کی حالت دیکھ کر چپکے چپکے آنسو بہاتی رہتیں اس بیٹے پر انہیں کتنا مان تھا زین پیدا ہوا تو ان کا وجود ہواؤں میں ہی اڑنے لگا تھا حارث کو بیٹا دیکھ کر وہ کتنی مطمئن اور شاد تھیں علی کی حیثیت تو انہوں نے بالکل زیرو کردی تھی حارث کی نگاہوں میں۔

تہمینہ کے ساتھ پلاننگ کرکے نا صرف علی کو حارث کی نظروں سے گروایا بلکہ گھر سے بھی نکلوا دیا وہ تمام جائیداد پر اپنا قبضہ چاہتی تھیں مگر اس سے بھی پہلے تہمینہ اپنی اوقات دکھا گئی رات کی تاریکی میں سب کچھ سمیٹ کر وہ ایسی غائب ہوئی کہ وہ اب تک اس کا سراغ نہیں لگا سکی تھیں۔

جس جائیداد کے لالچ نے انہیں اندھا کردیا تھا وہی مال و دولت روپیہ' پیسہ ریت کی طرح ان کے ہاتھوں سے پھسل گیا یہاں تک کے زین کے علاج کیلئے بھی کچھ نہیں بچا تھا احمر کی مہربانی کی وجہ سے انکا علی سے رابطہ ہوگیا تھا اور وہ انہیں نا صرف زین کے علاج کیلئے پیسے بھجواتا رہا بلکہ گھر کے اخراجات کیلئے بھی بھاری رقم اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروا دیتا تھا۔

اب وہ چاہتی تھیں کہ زین علی کے پاس چلا جائے تا کہ اس کا علاج اور آپریشن وغیرہ علی اپنی نگرانی میں کروائے۔ وہ جانتی تھیں کے علی ان سے چاہے جتنی بھی نفرت کرے وہ زین سے بھی نفرت نہیں کرسکتا۔

زرینہ نے احمر سے بات کی تھی کہ وہ علی سے کہ کر زین کے پیپرز وغیرہ بنوائے جب تمام قانونی کارروائی مکمل ہوگئی تو زین نے امریکہ جانے سے انکار کردیا وہ بہت خوفزدہ تھا اس بیماری نے اسے نڈھال کرکے رکھ دیا تھا امریکہ جانے کی سوچ سے ہی اس پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی پھر علی نے اس سے خود بات کی اور اسے بہت پیار سے سمجھایا سوما اور سوہا نے زین کو علی کے تصور سے بھی ڈرا دیا تھا وہ علی کو بہت غصیلا' سخت مزاج اور مغرور انسان سمجھتا تھا اور اسکی ماں نے جو کچھ علی کیساتھ کیا تھا زین ان سب باتوں سے واقف تھا اس لئے وہ علی کے پاس جانے سے کترانے لگا تھا زین نے جب انٹرنیٹ پر علی سے باتیں کی تو اسے فخر سا محسوس ہوا تھا پھر اس نے اپنی ماں سے کتنی ہی دفعہ جھگڑا کیا۔

"مجھے شرم آتی ہے آپ کو ماں کہتے ہوئے میں کس منہ سے بھائی کا سامنا کروں گا؟" وہ چیختا چلاتا رہا تھا اور زرینہ مارے شرمندگی کے سر نہیں اٹھا پا رہی تھی۔

زین کی طبیعت دن بدن گرتی جارہی تھی' ڈاکٹرز کا یہی مشورہ تھا کہ فوری آپریشن کردیا جائے زرینہ کی راتوں کی نیند اڑ چکی تھی زین کو دیکھ کر انکا دل کٹتا تھا مکافات عمل شاید اسی کو کہتے ہیں زین کی آنکھوں میں بجھتی زندگی دیکھ کر وہ پہروں رویا کرتی تھیں۔

اب کے انہوں نے زین کے سامنے ہاتھ جوڑ کر اسے امریکہ جانے کیلئے تیار کیا تھا اور پھر سوما کی شادی کے تیسرے روز وہ امریکہ چلا گیا ائیر پورٹ پر علی اس کے گلے لگ کر کتنی ہی دیر روتا رہا تھا علی نے نم آنکھوں سے اسکی پیشانی کو چوما۔

"یار اتم تو اتنے لمبے ہو گئے ہو"

"آپ سے تھوڑا کم ہوں" زین آنکھیں پونچھتا مسکرا کر بولا!

"ویسے بھائی آپ تصویروں سے زیادہ ہینڈسم ہیں"

"آپ کی آنکھوں کا کمال ہے کہ ہم اتنے حسین نظر آ رہے ہیں آپ کو" علی نے لہجے میں ڈھیروں انکساری سمو کر کہا تھا "میری بھابی کیسی ہیں؟"

"خود جا کر دیکھ لینا"

ادھر عائشہ بے چینی سے ان کا انتظار کررہی تھی اس نے کوئی چوتھی مرتبہ گلاس ونڈو میں سے پارکنگ میں جھانکا تھا کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں اسے آتے ہوئے دکھائی دیئے عائشہ نے مسکراتے ہوئے دروازہ کھول دیا وہ بہت محبت سے زین سے ملی تھی اس نے سفید پھول اس کے اوپر نچھاور بھی کئے تھے زین کی آنکھیں خوشی سے جگمگانے لگیں۔

اگلے دو تین دن تک علی نے احمر کے مشورے سے سرجن ایرتھ سے ٹائم لے لیا تھا زین کو دیکھ کر اسے بہت دھچکا لگا تھا زرد رنگت" اندر کو دھنسی ہوئی آنکھیں کمزور اور دبلا پتلا سے سراپا۔

وہ اس زین سے قطعاً مختلف تھا گیارہ سال بعد اپنے بھائی کو اس حالت میں دیکھ کر اس کا دل لہولہو ہو گیا تھا۔

زین کی ٹریٹمنٹ شروع ہو چکی تھی وہ باقاعدگی سے زین کا چیک اپ کروا رہا تھا علی نے زین کیلئے ڈائٹ چارٹ بنوایا تھا اور عائشہ بہت ہی ذمہ داری سے اس پر عمل کروا رہی تھی زین صبح علی کیساتھ جاگنگ کیلئے نکلتا تھا عائشہ اور زین واک کرتے' جبکہ علی معمول کے مطابق ایکسرسائز کرتا تھا ڈیڑھ دو گھنٹے بعد انکی واپسی ہوتی علی آفس کیلئے تیار ہوتا جبکہ وہ دونوں ناشتا بناتے زین بہت اچھی کوکنگ کرلیتا تھا ان کی ڈائننگ ٹیبل پر کافی خوش ذائقہ اور مزیدار کھانے نظر آنے لگے تھے علی زین کو اکثر چھیڑتا تھا۔

"مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ تم پاکستان میں کسی کے ہاں باورچی رہے ہو" اس دن علی کی چھٹی تھی اس لئے وہ بڑی فرصت کے عالم میں ٹی وی پر چلنے والے کرکٹ میچ کو انجوائے کررہا تھا عائشہ اور زین کچن میں لنچ کی تیاری کررہے تھے۔

وہ ایپل جیلی سیلڈ اور گرین ویجیٹیبل سیلڈ تیار کرچکا تھا اب وہ عائشہ کو اوپن گرلی سینڈوچز بنانے سکھا رہا تھا۔

"پہلے چکن کے چھوٹے چھوٹے پیس کرکے ابال لیں" عائشہ اس کی ہدایات پر عمل کررہی تھی جبکہ وہ خود اسٹول پر چڑھا ایک ہاتھ میں اورنج جوس کا گلاس پکڑے نگٹس کی ٹکڑے ڈبو ڈبو کر کھانے میں مصروف تھا۔

"اب آپ یوں کریں کے فرائنگ پین میں تھوڑا سے بٹر ڈال دیں' باقی کام میں خود کرتا

رہی علی کو اپنے لہجے کی سختی کا احساس ہو گیا تھا۔
''سوری عاشی!'' وہ اس کے قریب کارپٹ پر بیٹھ گیا ''میں نہیں بول رہی آپ سے'' عائشہ نے
غصے سے کہا تھا۔
''نہ بولو بس رونا دھونا بند کر دو'' علی نے اس کے دنوں ہاتھ تھام لیے۔
''مجھ سے اس لہجے میں بات کیوں کی آپ نے؟'' وہ جو کبھی اونچی آواز میں بات بھی نہیں کرتا
تھا اسکا چیخنا چلانا عائشہ کو سہما گیا تھا وہ بے دردی سے آنسو پونچھتے ہوئے غصے سے بولی۔
''معاف کر دو'' اس نے عائشہ کی ناک دبائی۔
''نہیں کرونگی''
''میں کان پکڑ لیتا ہوں'' علی نے اس کے دونوں کان پکڑ لیے۔
''آپ بہت خراب ہیں'' اس کے لبوں پر مسکان پھیل گئی تھی۔
''تم نے ہی خراب کر دیا ہے'' وہ ہنستے ہوئے اس کے قریب سے اٹھ گئی تھی علی اس کو پکارتا رہ
گیا۔

☆☆☆

''زین کے دل میں نا صرف سوراخ ہے بلکہ اس کے پیٹ میں کینسر بھی ہے'' ڈاکٹر ایرتھ نے
چند رپورٹیں اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا علی کے چہرے پر پریشانی کے سائے پھیل گئے
''زین دو دو بیماریوں میں مبتلا ہے اس کا علاج بہت سوچ بچار اور احتیاط سے کرنا پڑے گا اگر
کینسر کا آپریشن پہلے کیا تو دل کام کرنا چھوڑ دے گا اور اگر دل کو چھیڑا گیا تو کینسر پھیلنے کا اندیشہ ہے
دونوں صورتوں میں مریض کی ڈیتھ ہو سکتی ہے میرا مقصد آپ کو پریشان کرنا نہیں میں آپ کو
حقیقت بتا رہا ہوں ممکن ہے دونوں آپریشن کامیاب ہو جائیں ہم صرف کوشش کر سکتے ہیں۔''
''زین کو کب ایڈمٹ کرنا ہے'' علی گہری سانس کھینچتا آہستگی سے بولا تھا۔
''ابھی فی الحال زین وہ ہی میڈیسنز یوز کریں'' اگلے پندرہ دن تک مریض کی حالت دیکھیں
گے اس کے بعد ڈاکٹرز کا بورڈ جو فیصلہ کریگا اس حساب سے آپریشن کی تاریخ مقرر کی جائیگی۔
علی بڑے بوجھل دل کیساتھ ہسپتال کے احاطے سے نکلا تھا۔
عائشہ معمول کے مطابق کام ختم کر کے بیڈروم میں آئی تو علی کو گہری سوچوں میں گم پایا وہ سست
قدموں سے چلتی ہوئی واش روم میں گھس گئی لباس تبدیل کر کے جب وہ باہر آئی تو علی کروٹ
بدلے شاید سو گیا تھا۔
''علی آج اتنی جلدی سو گئے ہیں'' وہ اس کا کندھا ہلاتے ہوئے آہستگی سے بولی تھی علی نے
آنکھوں سے بازو ہٹا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔
''مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے'' اسے مسلسل اپنی طرف دیکھتا پا کر اس نے نرمی سے کہا
''ہوں بولو کیا کہنا ہے؟'' وہ سنجیدگی سے بولا۔
''علی آپ کو بچے کیسے لگتے ہیں؟''
''یہ کیسا سوال ہے؟'' علی کچھ حیران ہو کر بولا۔

''بتائیں نا'' اس نے اصرار کیا۔
''ظاہر ہے اچھے ہی لگتے ہیں''
''علی میرا دل چاہتا ہے کہ ہمارا بھی بچہ ہو'' وہ سر جھکائے انگلیاں مسلتے ہوئے آہستگی سے بولی
تھی علی کے ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ پھیل گئی۔
''ہوں تو آپ کو بے بی چاہیے'' اس نے عائشہ کے سرخ گال کو نرمی سے چھوا۔
''ہماری شادی کو اتنے مہینے ہو گئے ہیں'' عائشہ نے دونوں ہاتوں کو اس کے سامنے پھیلایا علی
بہت محبت پاش نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا وہ کتنی مختلف عورت تھی وہ یورپ کی سب عورتوں سے
الگ تھی اس کے چہرے پر بچوں جیسی معصومیت تھی اور آنکھوں میں شرم و حیا کی سرخیاں علی کو اس
پل اپنے فیصلے پر فخر محسوس ہو رہا تھا وہ عورت کے نام سے ہی متنفر تھا زرینہ اور تہمینہ نے جو کچھ اس
کے ساتھ کیا تھا وہ بمشکل ہی اپنے ریزہ ریزہ وجود کو جوڑ پایا تھا۔
اس نے کبھی شادی نہ کرنے کا خود سے عہد کر رکھا تھا مگر عائشہ کو دیکھ کر اس سے مل کر وہ پہلی
نظر کی محبت کا شکار ہو گیا تھا۔ اس گندے معاشرے میں عائشہ کا وجود گویا دلدل میں کنول کے پھول
جیسا تھا شاید ہی کسی مرد کو اپنی بیوی سے اتنی محبت ہو گی جتنی اسے عائشہ سے تھی اس محبت میں دن
بدن اضافہ ہو رہا تھا عائشہ اس کی پسند کے سانچے میں ڈھل گئی تھی۔
''رابرٹ جان بڑا ہی خوش نصیب باپ تھا جس کے گھر عائشہ جیسی بیٹی نے آنکھ کھولی تھی'' کبھی
کبھی وہ حیرت سے سوچتا تھا۔
''میں اپنا چیک اپ کروانا چاہتی ہوں'' دوسری صبح جب وہ آفس جانے کیلئے تیار ہو رہا تھا عائشہ
اس کے قریب آتے ہوئے کچھ پریشانی کے عالم میں بولی تھی۔ پرفیوم اسپرے کرتے ہوئے اس
کے ہاتھ اک پل کو رکے تھے۔
''میں آپ سے کچھ کہہ رہی ہوں'' عائشہ نے جھنجلا کر اس کے ہاتھ سے پرفیوم کی بوتل چھین کر
ڈریسنگ ٹیبل پر پٹخ دی۔
''ہماری شادی کو صرف دس مہینے ہوئے ہیں دس سال نہیں'' علی نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے
ہیئر برش اٹھالیا۔
''چیک اپ کروانے میں کیا حرج ہے؟''
''کوئی ضرورت نہیں ہے فضول چکروں میں پڑنے کی'' علی نے قدرے سخت لہجے میں کہا عائشہ
آنسو پیتی بیڈ پر بیٹھ گئی اس نے جھنجلا کر ہیئر برش صوفے پر اچھالا اور پھر عائشہ کے قریب بیٹھتے
ہوئے بولا۔
''میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں عاشی!'' تمہارے آنسو مجھے تکلیف دیتے ہیں۔
''آپ کو میری کوئی پروا نہیں ہے'' اس نے سوں سوں کرتے ہوئے کہا۔
''عاشی میں لیٹ ہو رہا ہوں پلیز رونا دھونا بند کر دو''
''ایک شرط پر'' وہ بھیگی آنکھوں سے مسکراتی ہوئی علی کے دل کے تار ہلا گئی۔
''کیا؟''

"آج آپ ہم دونوں کو گھمانے لے کر جائیں گے" زین نے دروازے سے جھانک کر بلند آواز میں کہا تھا علی اور عائشہ بے ساختہ مسکرا اٹھے۔

"بولیں منظور ہے؟" اس نے گلابی ہتھیلی علی کے سامنے پھیلا دی۔

"دل و جان سے منظور ہے" زین اس مرتبہ پھر بولا تھا۔

"تم چھپ کر ہماری باتیں سنتے ہو" علی نے مسکراتے ہوئے زین کے سر پر چپت لگائی زین اس الزام پر اچھل پڑا۔

"جی نہیں میں تو احمر بھائی کے متعلق بتانے آیا تھا وہ نیچے ہارن پر ہارن بجا رہے ہیں یہ نہ ہو کہ اپنی کھڑکیاں اور دروازے کھول کر تمام انگریز ڈنڈے جوتے اٹھائے احمر بھائی کے ساتھ ہماری بھی درگت بنا دیں اب آپ جلدی سے نیچے تشریف لے جائیں ورنہ احمر بھائی خونخوار تیور لئے اوپر آنے والے ہیں"

"دھت تیرے کی" علی نے سر پر ہاتھ مارا اور پھر جوتے ہاتھ میں پکڑے ٹائی گلے میں لٹکائے سرعت سے باہر کی طرف بھاگا۔

"علی کہاں گئے؟" عائشہ دودھ کا گلاس پکڑے کچن سے برآمد ہوئی۔

"آفس" زین کھڑکی میں سے جھانکتا ہوا اب بھی مسکرا رہا تھا عائشہ نے حیرانی سے اس کی پشت کو گھورا اور پھر فکرمندی سے بولی۔

"مگر انہیں تو ٹائی کی ناٹ لگانا نہیں آتی"

"آپ فکرمند نہ ہوں انکی سہیلی یہ کام بخوشی سرانجام دے گی" زین نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کیا۔

"کون سہیلی؟" عائشہ ٹھٹکی

"احمر بھائی" زین نے اس کے چہرے پر پھیلی سراسیمگی کو دیکھ کر قہقہہ لگایا اس کا سینے میں اٹکا ہوا سانس بحال ہوا۔

"تم پہلے ناشتہ کرلو" اسے ٹی وی میں گم ہوتے دیکھ کر عائشہ نے بلند آواز میں کہا زین کے چہرے پر بے زاری پھیل گئی کھانے پینے کے معاملے میں وہ کافی لاپروا تھا پکانے کا اسے بہت شوق تھا مگر کھانے کا نہیں۔ ایک مرتبہ عائشہ نے اس سے اتنی اچھی کوکنگ کا راز معلوم کرنا چاہا تو وہ بہت مزے سے بولا تھا۔

"میری بیماری اور کسی بھی وقت تکلیف ہو جانے کے ڈر سے ماما نے مجھے کبھی سکول جانے ہی نہیں دیا۔ گھر پہ ہی ٹیوٹر پڑھانے آتے تھے پھر جب میں فارغ ہوتا تھا تو بوا اور دینو بابا کے ساتھ کچن میں گھسا رہتا یوں میں بہت اچھی کوکنگ کرنا سیکھ گیا۔"

"ابھی ناشتے کا موڈ نہیں"

"تھوڑا سا دودھ ہی پی لو ابھی علی کا فون آئے گا تو میں انہیں کیا بتاؤں گی" عائشہ نے اصرار کیا

"کہہ دیجئے گا کہ زین نے ناشتا کرلیا ہے" وہ منہ بنا کر بولا۔

"میں علی سے جھوٹ بولوں" عائشہ نے آنکھیں پھیلائیں۔

"نہیں آپ بھائی سے کبھی بھی جھوٹ مت بولیے گا لائیں میں دودھ پی لیتا ہوں" زین نے دودھ کا گلاس پکڑ لیا۔

عائشہ کچن میں آکر برتن وغیرہ دھوتی رہی اور زین نے ویکیوم لگا کر پورے گھر کی صفائی کر ڈالی عائشہ کے منع کرنے کے باوجود وہ کوئی نہ کوئی کام کرتا رہتا تھا اس کام کے بعد وہ فارینہ کی طرف چلا گیا تین گھنٹے بعد اس کی واپسی ہوئی اسکی گود میں مونا تھی یقیناً وہ مارکیٹ کا چکر لگا کر گھر آیا تھا کیونکہ مونا کے ہاتھ میں چاکلیٹ اور کینڈیز کا شاپر تھا۔

"مونا ڈارلنگ یہاں بیٹھیے اور چاکلیٹ کھائیے میں ابھی آتا ہوں" زین اس کے ہاتھ میں چاکلیٹ پکڑا کر خود اپنے کمرے میں چلا گیا۔

عائشہ اپنے ہی دھیان میں مگن ٹرائفل بنا رہی تھی کہ اچانک ہی اسے مونا کے رونے کی آواز آئی اس نے برنر بند کر کے لاؤنج میں جھانکا اور سرعت سے باہر آئی مونا صوفے سے اچھلتی ہوئی کارپٹ پر گر گئی تھی اور اب زار و قطار رو رہی تھی عائشہ کے دل میں ایک ٹیس سے اٹھی تھی اس نے بے اختیار مونا کو اٹھا کر سینے سے بھینچا اسے لگا کہ ایزن بال کے پیچھے بھاگتے ہوئے ایکدم ہی گر پڑا ہے اور اب اسے نہ پا کر چیخ چیخ کر رو رہا ہے اس کے سر پر اور ہونٹ پر چوٹ لگی ہے اس کے ہونٹوں سے خون بہہ رہا ہے۔ ایزن کے ماتھے کا گومڑ، ہونٹوں سے رستا خون اور آنکھوں سے نکلتے آنسو اس معصوم کے چیخ و پکار۔

"مے می مجھے اٹھالو" عائشہ کا دل لہولہو ہو رہا تھا وہ مونا کے سر کو چومتے ہوئے مسلسل رو رہی تھی اس کے لمس کو محسوس کر کے مونا خاموش ہو گئی۔

"بھابی کیا ہوا ہے؟" زین نے گھبرا کر عائشہ کو جھنجھوڑا وہ ابھی ابھی اپنے کمرے سے نکلا تھا۔

"کک کچھ نہیں" اس نے ہکلاتے ہوئے بمشکل کہا اور پھر مونا کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ گر گئی تھی"

"لائیں اسے مجھے دیں اور آپ پلیز چپ کر جائیں بچے تو گرتے ہی رہتے ہیں" زین نے مونا کو گود میں اٹھایا اور باہر نکل گیا جبکہ عائشہ بے دم سی صوفے پر بیٹھ گئی۔

☆☆☆

عائشہ واش روم سے باہر نکلی تو اسے ایک دم کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دی لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ بھاگتی ہوئی زین کے بیڈروم میں آئی تو اسے بیڈ پر آڑھا ترچھا لیٹے پیٹ پکڑے کراہتا پایا اس نے گھبرائے ہوئے بھاگم بھاگ علی کو فون کیا اور پھر زین کو جھنجھوڑنے لگی۔

"زین آنکھیں کھولو" اس نے زین کی سرد پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

"ماما کہاں ہیں ماما کو بلائیں" زین دائیں بائیں سر پٹختے ہوئے بڑبڑا رہا تھا اس کی رنگت زرد اور ہونٹ کپکپا رہے تھے عائشہ نے ایک مرتبہ پھر علی کا نمبر ملایا۔

"میں ڈاکٹر اریتھ کو ساتھ لے کر آ رہا ہوں تم پریشان مت ہو" کچھ ہی دیر بعد فارینہ بھی آ گئی تھی اور تقریباً بیس منٹ بعد علی ڈاکٹر اریتھ کو لے کر آ گیا ٹریٹمنٹ دینے سے زین کی حالت کچھ بہتر ہوئی تھی اور اب وہ دواؤں کے زیر اثر نیم غنودگی میں تھا۔

"نوکری شوکری تو نہیں کرتی ہو؟ اتنے دن بعد چکر لگایا ہے"

"نہیں آنٹی جاب کا تو نام ہی مت لیں بس مونا بہت مصروف رکھتی ہے اس لئے نہیں آسکی آپ کیسی ہیں اور یہ عائشہ کہاں ہے؟"

"برتن دھو رہی ہے" انہوں نے بے زاری سے کہا۔

"آپ آجائیں زین کے ساتھ ہماری طرف" فارینہ نے اخلاقاً کہا اور پھر باؤل سمیت کھڑی ہوگئی۔

"میں ذرا عائشہ سے مل لوں"

"ہاں ہاں کیوں نہیں" انہوں نے چبا چبا کر کہا اور پھر ٹی وی کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

"علی بھائی کی امی کچھ عجیب سی ہیں" فارینہ منہ بنا کر بولی تھی عائشہ نے برتن خشک کرتے ہوئے مڑ کر دیکھا۔

"تم کب آئیں؟"

"دس منٹ پہلے' اگر تم فارغ ہو تو ذرا مارکیٹ کا چکر لگا آئیں؟"

"ہاں' تم ذرا آنٹی کے ساتھ بیٹھو میں چینج کر کے آتی ہوں" عائشہ بیڈ روم کی طرف بڑھ گئی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" زرینہ ان دونوں کو کھسر پھسر کرتے دیکھ کر ناگواری سے بولی تھی۔

"مارکیٹ" عائشہ کے بجائے فارینہ نے جواب دیا۔

"کب تک آؤ گی"

"دو تین گھنٹے تو لگ ہی جائیں گے" فارینہ نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں' گھر میں بور ہوتی رہیں گی" وہ علی کے والٹ سے پیسے نکالتے ہوئے دھیرے سے بولی تھی۔

"نہ تم ہی جاؤ میں گھر میں ہی ٹھیک ہوں"

زرینہ ایک مرتبہ پھر ٹی وی کی طرف متوجہ ہوگئی ان کے جانے کے بعد وہ پہلے تو چینل سرچنگ کرتی رہی پھر ریموٹ پھینک کر پورے گھر کا جائزہ لیتی رہی اتنے دنوں میں پہلی مرتبہ عائشہ کہیں گئی تھی اور وہ بھی پہلی مرتبہ بے حد آزاد محسوس کر رہی تھیں۔

کچن' اسٹڈی روم' ڈائننگ روم اور گیسٹ روم اچھی طرح دیکھنے کے بعد وہ اب علی کے بیڈ روم میں آگئیں۔ عادت سے مجبور ہو کر ادھر ادھر جھانکتے ہوئے انہوں نے مختلف دراز کھنگالنا شروع کر دیے۔ آخری دراز لاکڈ تھا انہوں نے چابی کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں گھمائیں پھر مایوس ہو کر اٹھ گئیں۔

اپنے ہی دھیان میں مگن وہ باہر نکلنے لگی تھیں جب کارنر پر رکھے گلدان سے ان کی چادر کا پلو الجھا دوسرے ہی پل گلدان زمین بوس ہوگیا انہوں نے کچھ جھنجلا کر ٹوٹے کانچ کے ٹکڑوں کو دیکھا اور پھر جھک کر اٹھانے لگیں دوسرے ہی پل وہ کھل سی اٹھی تھی ان کی آنکھیں جگمگانے لگی تھیں۔ ننھی سے چابی کو مٹھی میں دبائے وہ دراز تک آئیں تھوڑی سی کوشش کے بعد دراز کھل گیا تھا مگر دراز میں چند ایک کاغذات کے علاوہ کچھ نہ تھا انہوں نے ایک دو کاغذ اٹھا کر الٹ پلٹ کر دیکھے اور پھر

پٹخنے کے انداز میں پھینک دیئے وہ سر دائیں بائیں ہلاتے ہوئے اٹھنے ہی لگی تھیں جب نیلے رنگ کے منہ بند لفافے کو دیکھ کر چونک سی گئیں کچھ سوچ کر انہوں نے لفافہ احتیاط سے کھولا تھا اور پھر ان کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھٹ سی گئیں زرینہ کے ہاتھ میں تصویر تھی تصویر میں عائشہ نے آٹھ ماہ کا بچہ اٹھا رکھا تھا۔

"یہ بچہ کون ہے؟؟" زرینہ نے بے حد حیرانی سے زیر لب کہا

☆☆☆

وہ فارینہ کیساتھ جا کر ڈاکٹر مارگریٹ سے اپنا چیک اپ کروا آئی تھی رپورٹس ایک ہفتے بعد ملنا تھی اس نے علی کو چیک اپ کے بارے میں نہیں بتایا تھا اب وہ شدت سے رپورٹس کا انتظار کر رہی تھی۔

زین کا آپریشن تین دن بعد ہونا تھا علی تمام مصروفیات کو پس پشت ڈال کر ان دنوں پورا وقت زین کے ساتھ گزار رہا تھا تقریباً روز ہی وہ دونوں سیر کرنے کیلئے نکل پڑتے۔

رات گئے علی اور زین واپس آئے تو پورا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا زین چونکہ بہت تھکا ہوا تھا اسلئے فوراً ہی جا کر سو گیا البتہ علی آفس سے لائی فائلز چیک کرنے لگا اسٹڈی روم کی لائٹ آن دیکھ کر زرینہ نے دروازہ کھول کر تھوڑا سا جھانکا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے اندر آگئیں علی نے چونک کر ناگواری سے زرینہ یک طرف دیکھا تھا تاہم کچھ بولا نہیں تھا۔

"علی بیٹے میں نے تمہیں ڈسٹرب تو نہیں کیا؟"

اس کی مصروفیت میں مخل ہو کر وہ بڑے بھولپن سے پوچھ رہی تھیں۔

"ڈسٹرب تو آپ کر چکی ہیں خیر بولیے کیا کام ہے؟" علی نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں وہ مجھے تم سے کہنا ہے" زرینہ!

"فرمایئے؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا علی کو اس عورت سے شدید ترین نفرت تھی وہ زین ماں تھی اسی لیے وہ اس عورت کے وجود کو برداشت کر رہا تھا ورنہ اس کا دل تو یہی چاہتا تھا کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چیل کوؤں کو ڈال دے۔

"علی بیٹا! میں تم سے اپنے گزشتہ روّیے کی معافی مانگنا چاہتی ہوں شیطان مردود نے بہکا دیا تھا مجھے اسی لئے اپنی نادانی اور بے وقوفی میں تمہارے ساتھ زیادتیاں کرتی رہی ہوں" زرینہ نے آنکھوں میں آنسو اور لہجے میں ڈھیروں افسردگی سمو کر دل گیر انداز میں کہا تھا۔

"آپ کو معافی مانگنے کی ضرورت نہیں اگر میں آپ کو معاف نہ کرتا تو آپ اس وقت میرے گھر میں موجود نہ ہوتیں"

"تو کیا تم مجھے معاف کر چکے ہو؟" زرینہ نے مصنوعی حیرت سے کہا۔

"جی" وہ لب بھینچ کر فائل کی طرف متوجہ ہوگیا تھا زرینہ نے مزید کچھ کہنے سے خود کو روکا علی کا رکھا پھیکا انداز دیکھ کر وہ بے دلی سے اٹھ گئیں۔

"تمہارا غرور اور خود پسندی دیکھنا کیسے خاک میں ملتی ہے" اپنے بیڈ روم میں آکر انہوں نے تنفر سے سوچا۔

زخمی ناگن کی طرح کمرے میں چکراتے ہوئے وہ حسد کی آگ میں جل کر خاک ہو رہی تھیں
انہوں نے تو علی کو تباہ کرنے کا پکا پلان بنایا تھا رات کے دوسرے پہر اسے اس حال میں گھر
سے نکالا جب اس کی جیب میں پھوٹی کوڑی نہیں تھی نہ ہاتھ میں کوئی ہنر تھا اور نہ ڈگری۔
حارث سے کہہ کر نا صرف اسے عاق کروادیا تھا بلکہ علی کی ممی کے تمام خاندانی زیورات پر بھی
قبضہ کرلیا۔

نفیسہ بیگم کی پورے چار سال خدمت کے دوران انہوں نے حارث کو دام میں جکڑ لیا تھا۔
ان کا منصوبہ بڑا کامیاب رہا تھا مگر تقدیر نے انہیں منہ کے بل گرادیا فیکٹری میں آگ لگ گئی
ساتھ میں کمپنی بھی دیوالیہ ہوگئی گھر اور زیورات بک گئے۔
حارث کو ہارٹ اٹیک ہوگیا اور وہ ایک دفعہ پھر اندرون شہر کے خستہ حال مکانوں والے محلے
میں آگئی اچھا پہننے اور اچھا کھانے کا چسکا ایسا پڑا کہ دال روٹی اور اچار چٹنی زہر سے بھی بدتر لگنے
لگے آسائشات کا عادی وجود مئی' جون کی گرم ترین دوپہروں میں جھلس جاتا بریزے سے شاپنگ
کرتے کرتے ایک مرتبہ پھر سیل سے "ٹوٹے" لینے کی نوبت آگئی۔
صبح صبح فریش اورنج جوس کی جگہ باسی کھٹی لسی یا پھر سادہ پانی پینے کو ملتا تو طبیعتیں بوجھل اور جی
متلانے لگتا پھر تینوں ماں بیٹیوں میں زبردست قسم کی تکرار ہوتی فاسٹ فوڈ اور اٹالین کھانوں کا
ذائقہ بھولتا نہیں تھا پیزا برگر اور سی فوڈز کا عادی معدہ آلو بینگن اور کریلوں کی خوشبو سونگھ سونگھ کر کبھی
کبھی احتجاج بھی کرنے لگتا کہاں تو سرسبز و شاداب بھیگی بھیگی نرم گھاس پر صبح ایکسر سائز کی جاتی اور
کہاں اس اکھڑے پلستر والے چھوٹے سے صحن کو کوسا جاتا اور پھر سبزی لو' چاٹ لو' کی بھدی
آوازیں سن سن کر دماغ پھوڑے کی طرح دکھنے لگتا تھا۔
اتنی طویل آزمائش کے بعد ایک مرتبہ پھر زرینہ کے دن پھر گئے تھے وہ خود کو قسمت کا دھنی سمجھتی
تھیں۔

نیو یارک کی صاف شفاف کشادہ سڑکوں' اونچی عمارتوں اور ہر طرف پھیلے حسن و رعنائی کے
شاہکاروں کو دیکھتے ہوئے انکا وجود گویا ہواؤں میں اڑتا تھا ان کی خواہشات لامحدود تھیں نگری نگری
گھومنے کا شوق ابھی تک زندہ تھا حارث ان کی بس یہی خواہش پوری نہیں کر سکے تھے۔
اب جبکہ وہ آزاد تھیں خوب ہی گھومنا پھرنا چاہتی تھیں مگر ان کی یہ خواہش پوری ہوتی نظر نہیں
آرہی تھی علی اور زین دونوں اکیلے ہی نکل جاتے تھے کبھی انہیں ساتھ چلنے کیلئے نہیں کہا' دن بھر
نجانے کہاں کہاں کی سیر کرتے کبھی کبھی "میم" بھی ان کے ہمراہ چلی جاتی اور وہ پیچھے سے تنہا
جلتی بھنتی انہیں کوستی رہتی اس دن بھی وہ کہیں جا رہے تھے کہ عائشہ نے انہیں ساتھ چلنے کو کہا مگر
زرینہ نے انکار کردیا۔

زرینہ کو زین پر شدید تاؤ آرہا تھا مگر اس وقت وہ بے بس تھیں علی اور زین میں پھوٹ ڈلوا کر
وہ اپنے پیروں پر کلہاڑی نہیں مارنا چاہتی تھیں سولب سی بیٹھی تھیں۔
عائشہ گھر سے کھانے پینے کا تمام سامان ساتھ لائی تھی جس پکنک اسپاٹ اور نیو یارک کی مخصوص
تفریح گاہوں میں انہیں جانا تھا وہاں سے حلال چیزیں ملنا بہت مشکل تھا۔

ابھی انہیں آئے تقریباً آدھا گھنٹا ہوا تھا جب زین کی طبیعت بے حد خراب ہوگئی وہ فوراً ہی
اسے ہسپتال لے آئے تھے ڈاکٹر ایرتھ نے زین کو ایڈمٹ کرلیا تھا۔ اٹھائیس گھنٹوں بعد اس کی
طبیعت کچھ سنبھلی علی چاہ رہا تھا کہ عائشہ اب گھر چلی جائے احمر کے آنے کے بعد وہ عائشہ کو ساتھ
لئے لفٹ کے ذریعے سیکنڈ فلور پر آیا۔ اپنے ہی دھیان میں باتوں میں مگن وہ چلڈرن وارڈ کے
قریب سے گزرے جب اک معصوم سے چہکار سنائی دی جہاں علی ایک دم ٹھٹک گیا وہیں عائشہ نے
بھی دیوانہ وار مڑ کر دیکھا اسے گویا زمان و مکان بھول گئے تھے بس ہر طرف ایک ہی آواز کی
بازگشت سنائی دے رہی تھی۔

"مے می! رک جاؤ"

"مے می کہاں جارہی ہو" وہ بھاگتا ہوا اس کی کھلی بانہوں میں سما گیا تھا ایزن کا سر' گال'
آنکھیں ماتھا چومتے ہوئے وہ مسلسل رو رہی تھی۔

"میری جان' میرا پرنس میرا ایزن میں نے تمہیں کہاں کہاں نہیں تلاش کیا تم کہاں کھو گئے
تھے ایزن' میرے بچے' میرے چاند" اب وہ ایزن کے ہاتھ چوم رہی تھی علی نے بہت بے یقینی کے
عالم میں پہلے عائشہ اور پھر اس انگریز بچے کی طرف دیکھا اس کے سر پر گویا دھماکہ ہوا تھا دل میں
کانچ سا ٹوٹا تھا وہ حیرت' دکھ' صدمے اپنے اعتماد کے ریزہ ریزہ ہو جانے اور اس عظیم دھوکے پر
پھٹی پھٹی نگاہوں سے عائشہ کی طرف دیکھتا رہا وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔
علی کو یوں محسوس ہوا کہ ان تین منٹوں اور بارہ سیکنڈوں میں اس کا پورا وجود مردہ ہوگیا ہے دل
کا شہر چند لمحوں میں ہی اجڑ گیا تھا ہر طرف دھول اڑ رہی تھی نیو یارک کی سب سے بلند عمارت گویا
اس کے اوپر آن گری تھی اس کی محبت' چاہت' جنون' عشق' دیوانگی اس ملبے کے نیچے سسک رہی
تھی، بین کر رہی تھی علی نے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے ڈاکٹرز روم کی طرف مڑتے دیکھا اس کی
آنکھوں میں دھند چھا رہی تھی وہ مرے مرے قدم اٹھاتا بمشکل پارکنگ تک پہنچا اس وقت وہ کسی
شخص کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

زرینہ اسے تنہا آتا دیکھ کر حیران رہ گئی تھی اس کی سرخ آنکھوں میں چھائی وحشت دیکھ کر اس
نے علی سے کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا کیا ضرورت تھی بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کی وہ
حیرت پریشان سی اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گئیں کچھ دیر بعد انہیں عجیب سا شور سنائی دیا تھا وہ لشم
پشم لاؤنج کی طرف دوڑیں عائشہ کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی اس کے دائیں ہاتھ کو پانچ سالہ بچے
نے مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا علی نجانے انگریزی میں کیا کیا کہہ رہا تھا ان کے پلے کچھ نہ پڑا وہ حق
دق سی سامنے والے منظر کو دیکھتی رہیں۔

"گھٹیا' ذلیل' کمینی عورت میرے ساتھ دھوکا کرتی رہی ہو" اب وہ عائشہ کو لاتوں اور ہاتھوں
سے پیٹ رہا تھا۔

"نجانے کون ہو تم کہاں سے آئی ہو" وہ چیخا۔

"مجھ جیسا احمق شاید اس دنیا میں کوئی نہیں ہوگا جو اندھا دھند تم پر اعتماد کرتا رہا تمہاری ہر جھوٹی
بات پر یقین کرلیا" علی نے اسے بالوں سے جکڑ کر کھڑا کیا۔

"کون ہے یہ حرامی ؟؟" اس کے منہ پر تھپڑوں کی بارش کرتے ہوئے وہ اپنے آپے میں نہیں لگ رہا تھا۔

"میں بھول گیا تھا کہ تم بھی اسی معاشرے کی عورت ہو" علی کی زبان شعلے اگل رہی تھی پھر اس نے عائشہ کو بالوں سے گھسیٹتے ہوئے گھر سے باہر نکال دیا زرینہ کی آنکھیں حیرت سے ابل پڑیں انہیں اب کچھ کچھ اسٹوری سمجھ میں آرہی تھی عائشہ اپنی زبان میں نجانے کیا کیا صفائیاں پیش کررہی تھی پر اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے علی کے پیروں میں اپنا سر رکھ دیا تھا اور ایک مرتبہ پھر علی دیوانگی کے عالم میں اسے پیٹ رہا تھا اور جب اس کے ہاتھ تھک گئے تو وہ بلند آواز میں چیختا چلاتا دروازہ زور دار دھماکے سے بند کرکے اندر چلا گیا عائشہ نجانے کتنی دیر دروازہ پیٹتی رہی تھی پھر تین چار گھنٹوں بعد عائشہ کی اور اس بچے کی آواز آنا بند ہوگئی۔

عائشہ کے ہاتھ دروازہ بجا بجا کر تھک گئے تھے اس کا سر چکرا رہا تھا' ناک سے خون بہہ رہا تھا ان نے آخری مرتبہ بند دروازے کی طرف دیکھا وہ جان چکی تھی کہ یہ دروازہ اب اس کیلئے کبھی نہیں کھلے گا وہ زخمی وجود کو بمشکل گھسیٹتے ہوئے کھلے آسمان تلے آگئی ایزن نیند سے بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ اس کا ہاتھ پکڑے گھسیٹا جارہا تھا۔

نجانے وہ سر جھکائے کتنی دیر چلتی رہی تھی اس نے مڑ کر دیکھا اس کا گھر اور اسکا ہمسفر بہت پیچھے رہ گیا تھا وہ خالی دل اور خالی ذہن کیساتھ چل رہی تھی۔

اس نے یوں ہی چلتے چلتے سر اٹھا کر دیکھا اس کے قدم احمر کے گھر کے سامنے زنجیر پا ہو گئے تھے وہ نڈھال سی ٹھنڈے فرش پر بیٹھتی چلی گئی۔

اسے لوئس ول کی تاریک شامیں یاد آنے لگی تھیں اس نے سر دیوار سے ٹیکا اور بے آواز رونے لگی۔

"میں نے تمہیں کھو دیا ہے علی' شاید ہمیشہ کیلئے" گلابی سرد ہتھیلیوں کو دیکھتے ہوئے اس نے اذیت سے سوچا۔

"ان ٹھوکروں سے بچنے کیلئے میں نے اتنا طویل سفر طے کیا تھا مگر سوائے خسارے کے میرے ہاتھ کچھ نہ آیا"

اس بر اعظم میں بنے تمام اولڈ ہاؤسز کی عمارتوں سے اسے شدید ترین نفرت تھی مگر اس پل اس لمحے اس سرد ترین رات کے تیسرے پہر اسے یہی محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اپنی باقی زندگی کسی اولڈ ہاؤس میں سسکتے ہی گزارے گی اس کی آنکھوں کے سامنے بہت سے جھریوں زدہ چہرے آنے لگے۔

"نہیں کبھی نہیں" اس نے ہونٹ کچلتے ہوئے ایزن کی طرف دیکھا وہ اس کی گود میں سر رکھے اونگھنے لگا تھا اس کا بیمار کمزور سا وجود' گالوں میں ٹھنڈی زردیاں اور سوکھے پپڑی زدہ ہونٹ ہولے ہولے کپکپا رہے تھے عائشہ نے اپنے جسم پر موجود چادر کو اس کے اردگرد لپیٹ کر گویا سرد ہواؤں سے محفوظ کیا تھا۔

"وہ پوچھتا ہے میں کون ہوں" اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر حیرانی سے بولا تھا۔

"میں بھلا کون ہوں" عائشہ نے آتی جاتی سرد کٹیلی ہواؤں اور پھر اس بھیانک رات سے بہت سہم کر پوچھا تھا جواب نہ پاکر وہ آہستہ آہستہ اپنا سر دیوار سے پٹخنے لگی اس کی ناک سے بہتا خون تھوڑی اور گردن تک کو بھگو چکا تھا مگر وہ ہر احساس سے بے نیاز دھیرے دھیرے بڑبڑا رہی تھی

"میں کون ہوں میں کون ہوں" اس نے بند آنکھوں کو ایک دم ہی کھولا اور گھور کر تاریکی کے پار کچھ دھندلے عکس کھوجنے لگی کچھ چہرے کچھ منظر کچھ باتیں کچھ یادیں اس کی آنکھوں کے سامنے گویا ایک فلم سی چلنے لگی تھی۔

پورا آسمان اچانک ہی سیاہ بادلوں سے ڈھک گیا تھا بادل زور دار آواز میں گرجے اور پھر موٹی موٹی بوندیں گرنے لگیں لوئیس ول کی سڑکوں پر جل تھل ہوگئی تھی۔

مسلسل گرنے والے شفاف پانی نے اسے سرتاپا بھگو دیا تھا مگر وہ کڑکتی بجلی گرجتے بادلوں اور برستی بارش سے بے نیاز ناک کی سیدھ میں واک کے انداز میں چلتی جارہی تھی اس کے چہرے پر پھیلی آنسوؤں کی مٹی مٹی لکیروں کو بارش نے دھو دیا تھا لیکن اس کی سوجی ہوئی آنکھوں کو دیکھ کر کوئی بھی اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ مسلسل رو رہی ہے۔

بارش کے ساتھ ٹھنڈی کٹیلی ہوائیں چل رہی تھیں اس لئے ٹھنڈ کی شدت میں ہوگیا تھا۔

"آج یخ سردی ہے"

اس نے اپنی گیلی اونی ٹوپی کو اتار کر ہاتھ میں پکڑ لیا اور جینز کے پائنچے اوپر ٹانکنے لگی اسکول بیگ پانی سے نچڑ رہا تھا اور وہ اندازہ کرسکتی تھی کہ اندر موجود کتابوں کا کیا حال ہو رہا ہوگا مگر وہ ہر چیز سے لاپروا چلتی رہی۔

اس کی آنکھوں کے سامنے بار بار جینی کا چہرہ آرہا تھا سیاہ چہرہ اور چمکتی جگمگ کرتی روشن آنکھیں' موٹے موٹے ہونٹوں پر دلنشین مسکراہٹ اس نے اذیت سے لب کچلتے ہوئے جینی کے مکان کی طرف دیکھا ہر طرف ویرانی تھی خاموشی اور سناٹا ہر سو پھیلا ہوا تھا بہت سی اداسی نے اس کے دل میں پنجے گاڑ لئے تھے۔

چند سفید فام وحشی لڑکوں نے اسکول سے واپسی پر جینی کو اغوا کرلیا تھا وہ روتی رہی چیختی رہی مگر کوئی بھی اس کی مدد کیلئے آگے نہیں بڑھا تھا رات تک انہوں نے جینی کو قتل کرکے گٹر میں پھینک دیا تھا جینی کی ماں جاب سے واپس آئی تو اسے نہ پاکر اس نے سوینا کو فون کیا سوینا اس دن اسکول گئی ہی نہیں تھی اس کے پیٹ میں درد تھا ایگو کی زبانی جینی کی گمشدگی کا سن کر وہ بے حد پریشان ہوگئی تمام درد و تکلیف بھول گئی ایگو کے ساتھ مل کر اس نے "ایوڈ" کا چپا چپا چھان لیا مگر جینی کا کوئی سراغ نہ مل سکا تھا دو دن تک وہ اسے تلاش کرتی رہی تھیں مگر ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا تھا ایگو کے ساتھ روتے دھوتے اسے اچانک خیال آیا تھا۔

"ہم پولیس کی مدد لیتے ہیں" ایگو اس کی بات سن کر نفی میں سر ہلانے لگی۔

"نیگرو لوگوں کی مدد پولیس نہیں کریگی الٹا مزید پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا" سوینا لب بھینچ کر خاموش ہوگئی ایگو کی بات میں وزن تھا لہٰذا انہوں نے اپنی سی کوشش جاری رکھی۔

دو دن بعد پیٹر کے گارڈ "بیری" نے جینی کے مردہ وجود کو تلاش کرلیا تھا اخباروں میں جینی

کی تصویریں چھپتی رہیں ہنسی مسکراتی زندگی سے۔ ایک تصویر میں وہ سوئمنگ کر رہی تھی یہ تصویر اس کی زندگی کی یادگار تصویر تھی اس نے سوئمنگ کے مقابلے میں فرسٹ پرائز جیتا تھا اس دن وہ بہت خوش تھی اس نے مختلف پوز میں تصویریں کھنچوائیں جو کہ اب اخبار کی زینت بن گئی تھیں۔ دوسری تصویر میں اس کا سر پھٹا ہوا اور آنکھیں باہر کو نکلی ہوئی تھیں جبکہ خون کے دھبوں سے مسخ گیا تھا سویٹا ان تصویروں کو دیکھ کر روتی رہی، چیختی رہی، چلاتی رہی اس کی بچپن کی سہیلی ہمیشہ کیلئے اسے تنہا کر گئی تھی۔

اگو نے ایک جرأت مندانہ قدم اٹھایا تھا نیویارک کے سب سے بڑے اخبار ''امریکن ٹائمز'' کی چیف ایڈیٹر مارسلنی مارک سے رابطہ کیا اور اس وقت تک جینی کو نہ دفنایا جب تک اسی کی کٹی پھٹی لاش کا دیدار مارسلنی مارک نے نہیں کر لیا تھا۔ مارسلنی نے اس ایشو کو اتنا اٹھایا، اتنا ہائی لائٹ کیا گیا، یہاں تک کہ اگو کو امریکن حکومت کی طرف سے فرنشڈ فلیٹ اور کی فیکٹری میں جاب مل گئی اور وہ چند ہی دنوں میں لوئس ول کو چھوڑ کر نیویارک شفٹ ہو گئی تھی سویٹا اب بھی اپنی سہیلی کے اس ڈربے نما مکان کے پاس آ کھڑی ہوتی تھی اور شیشوں کے پار کا بدرنگ منظر دیکھتی رہتی تھی یہاں تک کہ اس کی آنکھیں دھندلا جاتی تھیں۔

اب بھی وہ اپنی سہیلی یاد کر کے رو رہی تھی اس کی نگاہوں میں وہ منظر آ کر ٹھہر سے گئے تھے جب وہ اور جینی ایک ساتھ سکول جایا کرتی تھی جینی ہمیشہ اس کا وزنی بیگ اٹھا لیتی تھی جبکہ سویٹا کو اچھا نہیں لگتا تھا کہ جینی اپنے ساتھ اس کا بھی بوجھ اٹھائے اس کا بدلہ سویٹا یوں چکاتی تھی کہ اپنا لنچ بکس جینی کے حوالے کر دیتی تھی اور پھر سارا دن بھوکی پیاسی رہتی۔

وہ گھر جانے کے بجائے چرچ آ گئی فینسی نے اسے دیکھ کر اپنی طرف بلایا وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی فینسی کے قریب آ کر احترام سے بیٹھ گئی فینسی نے نرمی سے اس کے گال کو چھوا۔

''پیاری لڑکی! تم پھر جینی کو یاد کر کے رو رہی ہو؟''

وہ کچھ نہیں بولی تھی کیونکہ اس کے آنسو ایک دفعہ پھر نکل آئے تھے فینسی اس کا ہاتھ تھپک کر تاسف بھری نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی بہت سارا رو چکنے کے بعد اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اس وقت کہاں ہے ساتھ ہی بھیگے کپڑوں کی وجہ سے اسے ڈھیروں شرمندگی نے آن گھیرا سرخ قالین پر پانی کے دھبے نظر آ رہے تھے۔

''اوہو یہ میں نے کیا کر دیا'' سر پر ہاتھ مارتے ہوئے وہ کھڑی ہو گئی، فینسی نے اس کا ہاتھ تھام کر دوبارہ بٹھا دیا۔

''کوئی بات نہیں پور گرل''، فینسی نے نرم مسکراہٹ اچھالی اور پھر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا کیونکہ چھوٹے بچے قطار بنائے آ گئے تھے اور اب وہ ہاتھوں میں کتابیں لئے مقدس گیت گانے لگے تھے فینسی کے ساتھ اس کے بھی لب ہلنے لگے جب وہ چرچ سے باہر آئی تو بارش تھم چکی تھی وہ تیز قدم اٹھاتی اپنے گھر کی طرف آ گئی اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو چکا تھا۔

کیچڑ سے لت پت جوتے اتار کر اس نے سائیڈ پر رکھے۔ کوٹ کھونٹی سے لٹکایا اور پھر کچن میں آ گئی لیوسٹی کافی پھینٹ رہی تھی۔ ماں کو اس وقت گھر لوٹا

دیکھ کر سویٹا کو خوشگوار حیرت ہوئی وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی اور پھر لیوسٹی سے لپٹ گئی لیوسٹی نے بھی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔

''تم اتنی دیر سے کیوں آئی ہو؟'' لیوسٹی نے سرسری سا پوچھا۔

''میں چرچ گئی تھی'' وہ آہستگی سے بولی۔

''اوہو اچھا میں بھی جاؤں گی آج عبادت کرنے چرچ میں، پرسوں فائنل ہے اور مجھے دعا کرنی چاہئے تاکہ میں جیت سکوں'' لیوسٹی نے لاپروائی سے کہا اور پھر مگ اس کی طرف بڑھا دیا تھا وہ کئی لمحے تک اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''آپ باقاعدگی سے چرچ جایا کریں آنٹی آپ پھر ہر مقابلہ جیتیں گی مجھے یقین ہے''

''ہاں تم ٹھیک کہتی ہو مگر میرے پاس وقت نہیں ہوتا'' لیوسٹی نے کیبنٹ کھول کر بسکٹ نکالے کافی پی کر لیوسٹی اپنی معمول کی ایکسرسائز کرنے لگی جبکہ اس نے کمپیوٹر آن کر لیا۔

''جانتی ہو میرا مقابلہ کس کے ساتھ ہے'' سویٹا نے اسکرین سے نظریں ہٹا کر لیوسٹی کے لچکیلے بدن کی طرف دیکھا بظاہر نرم و نازک وجود در اصل فولادی وجود تھا وہ لوئیس ول کے اندرونی ایریا کی پہلی عظیم ترین ریسلر تھی جس نے صرف ایک منٹ پچیس سیکنڈ میں چرچل ریڈ کو ناک آؤٹ ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

لیوسٹی نے چار گولڈ میڈل جیتنے کے ساتھ ہیوی ویٹ چیمپئن کا اعزاز بھی حاصل کر لیا تھا۔

''روز ویلٹ کے ساتھ اسٹیڈیم کے مالک جیراڈ ولٹ کا اکلوتا بیٹا جو کہ ناقابل شکست ہے جسے دیکھ کر ہی وحشت طاری ہو جاتی ہے اور اس کے باوجود لوئیس ول کی عورتیں اس پر مرتی ہیں'' لیوسٹی کھنکتی آواز میں بولی جبکہ سویٹا کے خیالات کا سلسلہ بھی ٹوٹا تھا۔

''روز ویلٹ کے ساتھ'' وہ بڑبڑائی۔

''آپ اس مقابلے میں حصہ مت لیں''

''وہ کیوں؟'' لیوسٹی حیران ہوئی۔

''ہیوی ویٹ چیمپئن کا اعزاز چھن جائے گا آپ سے'' اس کی پریشانی کی وجہ جان کر لیوسٹی مسکرائی۔

''یہ فائٹ بہت ضروری ہے ڈیئر اگر روز ہرا گیا تو وہ اپنے قول کے مطابق مجھ سے شادی کرے گا اور ویٹ کی فیملی کا حصہ بننا میرا خواب ہے''

''مگر'' وہ الجھی۔

''کوئی اگر مگر نہیں، بس تم روزانہ چرچ جا کر عبادت کیا کرنا اور میرے لئے گاڈ سے دعا کرنا کہ روز ویلٹ ہار جائے۔ روز کی ناکامی کے ساتھ ہی جیراڈ کو ہارٹ اٹیک ہو جائے گا اور پھر اسٹیڈیم کا مالک روز ویلٹ۔''

لیوسٹی نے ایک دلکش قہقہہ لگایا سویٹا کو پہلی مرتبہ اس کی سوچ سے وحشت ہوئی تھی اس کے مسکراتے لب سکڑ کر رہ گئے تھے۔

''شاید اس دفعہ میں دعا نہ کر سکوں'' سویٹا نے آزردگی سے سوچا تھا اور پھر کمپیوٹر کی طرف متوجہ

سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟؟"

"خواہش" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی اور پھر نفی میں سر ہلانے لگی۔

"کوئی نہیں"

"میں نہیں مانتی یقیناً تمہاری کوئی نہ کوئی ایسی خواہش ضروری ہو گی جسے تم ہر صورت پورا کرنا چاہتی ہو گی"

"آپ بتائیں آپ کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟" اس نے الٹا سوال کر دیا نینسی کچھ دیر سوچتے ہوئے پرسوچ انداز میں بولی تھیں۔

"ہاں، میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ میں اٹلی کے شہر ویٹی کن سٹی میں واقع "کیتھولک براسیلیکا" کے چرچ میں عبادت کروں جانتی ہو اس چرچ کی عمارت دنیا کے تمام چرچ سے بڑی ہے تمام بڑے بڑے لیڈر خاص خاص تہواروں پر اس چرچ میں عبادت کرنے کیلئے جاتے ہیں"

"اب تم بتاؤ" نینسی مسکرائیں۔

"میں ایک اچھی زندگی گزارنے کی خواہش رکھتی ہوں مجھے کیڑے مکوڑوں سے بدتر زندگی سے نفرت ہے مجھے کلب آباد کرنے والی عورتوں سے، کال گرلز سے اور اولڈ ہاؤسز میں رہنے والی بوڑھیوں سے نفرت ہے یہ وہ عورتیں ہیں جو جوانی عیش و عشرت میں گزار دیتی ہیں اور بڑھاپا سسکتے ہوئے میں چاہتی ہوں کہ میرا بڑھاپا اچھا گزرے اور جب میں مروں تو میرے پاس کچھ نیکیاں، کچھ اچھے اعمال اور بہترین سچا مذہب ہو" وہ دھیرے دھیرے نرم آواز میں بول رہی تھی نینسی دم بخود اسے سنتی رہی۔

"تم عیسیٰ علیہ السلام کی پیروکار ہو گاڈ نے تمہیں عیسائی خاندان میں پیدا کیا ہے تمہارے پاس بہترین کتاب ہے بس تم اس پر ڈٹی رہو یقیناً تمہاری تمام بے سکونی اضطراب ختم ہو جائے گا" نینسی فادر ثائی سن کے حکم کے مطابق آہستہ آہستہ اس کے گرد گھیرا تنگ کر رہی تھی اسے خاموش پا کر وہ مزید بولیں۔

"تم جانتی ہو کہ عیسائیت کے پیروکار پوری دنیا میں سب سے زیادہ ہیں تمام مذاہب میں عیسائیت سرفہرست ہے ہمارا مذہب ہی سچا مذہب ہے اسی لیے تو اسے ماننے والوں کی تعداد زیادہ ہے"

"ماننے والوں کی یا......" اس نے تنفر سے سوچا اس کی آنکھوں کے سامنے گندے غلیظ کردار والی عورتوں کے چہرے آنے لگے لوگ آسانیاں ڈھونڈتے ہیں جس مذہب میں جس فرقے میں زیادہ آسانی ہو، گنجائش ہو اس کے پیروکار بن جاتے ہیں حرام میں مٹھاس ہے، کشش ہے جگنو کی روشنی مدھم ہوتی ہے اسی لئے آگ کی طرف بھاگتے ہیں شعلوں کی طرف لپکتے ہیں چاہے بھڑکتی آگ کے شعلے جلا کر راکھ ہی کر دیں انہیں جلنا منظور ہے صبر کرنا نہیں۔

دوسرے دن ایک مرتبہ پھر نینسی نے اسے بلوا بھیجا تھا سویٹا کا مارے کوفت و جھنجلاہٹ کے، برا حال ہو گیا مجبوراً گھر لاک کرنے کے بعد چرچ آ گئی تھی نینسی اسے دیکھ کر ہمیشہ کی طرح مسکرائیں

سویٹا کو نہ جانے کیوں یہ مسکراہٹ مصنوعی محسوس ہوئی تھی۔

"تمہارے اندر ایک بہت اچھی سویٹا موجود ہے تمہیں دلدل سے محفوظ رہنا ہے لو سفید لباس پہن لو"

"مجھے نن نہیں بننا" سویٹا نے کڑوے لہجے میں کہا نینسی کے چہرے پر کرختگی پھیل گئی۔

"کیوں؟"

"مجھے منافقت نہیں آتی" وہ کٹیلے لہجے میں بولی۔

"کیا بکواس کر رہی ہو" نینسی نے ترشی سے کہا۔

"یہی سچ ہے" سویٹا نے سرد آواز میں کہتے ہوئے سر جھکا لیا۔

"نن نہیں بننا تو جاؤ اپنی قوم کے لوگوں کی طرح گمراہ ہو جاؤ" نینسی زہرخند ہوئیں۔

"آپ مجھے صرف اتنا بتا دیں کہ یہ قوم گمراہ کیوں ہو رہی ہے" وہ سخت آواز میں بولی تھی۔

"بتائیں بھی" نینسی کو خاموش پا کر وہ چلائی۔

"اپنے عمل کی وجہ سے" نینسی کی آواز پست تھی۔

"نہیں" سویٹا نے نفی میں سر ہلایا اور پھر مضبوط لہجے میں بولی۔

"یہ قوم اس لئے گمراہ ہو رہی ہے کہ اسے اچھی ماں نہیں ملی، انہیں بہترین تربیت میسر نہیں آئی انہیں رہنما نہیں ملا"

"آہستہ بولو" نینسی نے دھیمی آواز میں کہا تھا سویٹا کے لبوں استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اسی لئے تو کہہ رہی ہوں کے مجھے منافقت نہیں آتی"

"کل فادر ثائی سن آرہے ہیں تم ضرور آنا" نینسی نے کچھ سفید پھول اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔

"مجھے اب جانے دیں"

وہ بے زاری سے بولی تھی اور پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی چرچ کی عمارت سے باہر نکلتی چلی گئی۔

☆☆☆

وہ مارکیٹ جا رہی تھی جب پیٹر نے بھی ایک لسٹ اسے تھمائی ڈیڑھ دو گھنٹے بعد وہ لدی پھندی سی پہلے گھر آئی تمام سامان ٹھکانے لگایا اور پھر پیٹر کا سودا لے کر اس کے مکان کی طرف چل دی "اسے پیٹر کے گھر جا رہی ہو تو واپسی پر سرخ گلابوں کا ایک بڑا لانا میں نے کسی کو تحفہ دینا ہے سرخ اینٹوں والے مکان کی کھڑکی کھول کر سیاہ فام لڑکی کرسٹی نے چلا کر کہا تھا" سویٹا نے پلٹ کر دیکھا اور پھر مسکرا دی۔

"میں واپسی پر پھول لے آؤں گی"

"شکریہ" کرسٹی نے تشکر بھری مسکان اچھالی اور پھر کھڑکی بند کر دی سویٹا پیٹر کے گارڈن کے قریب سے گزری تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی وہ سیدھی اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئی پیٹر حسب معمول اپنی لائبریری میں تھا سویٹا کچن میں سامان رکھ کر لائبریری میں آ گئی۔

"کسے پڑھ رہے ہیں؟" وہ اس کے قریب کارپٹ پر بیٹھتے ہوئے دلچسپی سے بولی۔

"آں ہاں تم کب آئیں؟" پیٹر نے کتاب سے نگاہیں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا۔ سویٹا اس کے ہاتھ سے کتاب لے کر بولی۔

"دس منٹ پہلے"

"کیا کچھ خریدا ہے؟؟؟"

"وہ سب کچھ جولسٹ پر درج تھا"

"سویٹا! تم مجھے کچھ کھانے کیلئے لادو میری رات بھر طبیعت خراب تھی صبح سے بھوکا بیٹھا ہوں" پیٹر نے التجائیہ لب و لہجے میں کہا تھا سویٹا سر ہلاتے اٹھ گئی پیٹر ایک مرتبہ کتاب میں گم ہو چکا تھا آدھے گھنٹے بعد وہ ایگ فلاور سوپ بنا کر لے آئی تھی پیٹر کی آنکھیں تشکر کے احساس سے نم ہو گئیں۔

"اس کا ذائقہ کیسا ہے؟"

"بہت اچھا" پیٹر مسکرایا

"میں نے اس میں ویجی ٹیبل بروتھ ڈالی ہے" وہ جوش کے عالم میں بتانے لگی

"اسی لئے تو یہ بہت مزیدار سوپ بنا ہے" پیٹر بدذائقہ سوپ کو شوق سے پیتے ہوئے بولا سویٹا نے مسکراتے ہوئے کتاب اٹھالی۔

"ولیم شیکسپیئر کو پڑھ رہے ہیں" اس نے کتاب کی ورق گردانی کرتے ہوئے کہا پیٹر نے خالی باؤل میز پر رکھا اور ایک مرتبہ پھر کتاب پکڑ لی۔

"ہاں، ولیم شیکسپیئر کو بین الاقوامی طور پر انگریزی کا سب سے بڑا عظیم ترین شاعر تسلیم کیا گیا ہے اس کی زندگی کے بارے میں پڑھ کر کافی حیران ہوا ہوں"

"زبردست، میں گھر جا کر اسے پڑھوں گی"

"اگر کچھ پانا چاہتی ہو، حاصل کرنا چاہتی ہو سویٹا! تو ان عورتوں کی طرح مضبوط بن جاؤ میدان مارلو دنیا کو اپنے سامنے جھکانے والا کامیاب نہیں ہوتا بلکہ دنیا کے قدم سے قدم ملا کر چلنے والا کامیاب ہوتا ہے" پیٹر نے اپنا کپکپاتا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ کر نرمی سے کہا تھا۔

"تم نہیں جانتے پیٹر انکل! کہ میری خواہشات ان عورتوں سے بہت مختلف ہیں' میں نے کوئی میڈل نہیں جیتنا کسی ملک کی وزیراعظم نہیں بننا میں تاریخ میں اپنا نام لکھوانے کی خواہش نہیں رکھتی مجھے لیوسٹی کی طرح دولت جمع کرنے کا شوق بھی نہیں ہے میری خواہشات بہت محدود ہیں ایک بہترین ساتھی، چھوٹا سا گھر میرے خواب شنگھائی ہوٹل کی عمارت سے بلند نہیں ہیں مجھے جگمگ کرتی روشنیوں، قمقموں اور اجالوں کی خواہش نہیں ہے مجھے تو صرف اک ننھے سے جگنو کی تلاش ہے جو مجھے منزل تک لے جائے"

وہ نم آنکھوں سے سوچتی چلی گئی تھی۔ پیٹر اسے رنجیدہ دیکھ کر خود کو ڈانٹنے لگا تھا پھر اس کا دھیان بٹانے کی غرض سے بولا تھا۔

"میں بہت تنہائی محسوس کرنے لگا ہوں"

"آپ کو آج سے بیس سال پہلے شادی کر لینا چاہیے تھی" سویٹا نے چونک کر آنکھیں صاف کیں اور دھیرے سے بولی تھی پیٹر نے مصنوعی آہ بھری۔

"میں تیسری شادی ضرور کرتا اگر الزبتھ ثانی مان جاتی جانتی ہو سویٹا! وہ دنیا کی امیر ترین عورت تھی" پیٹر نے قہقہہ لگایا وہ بھی ہنس پڑی۔

"اوکے اب میں چلتی ہوں" وہ مسکراتے ہوئے اٹھی تھی۔

"جاتے ہوئے دروازہ بند کر جانا" پیٹر نے پیچھے سے بلند آواز میں کہا تھا سویٹا سر ہلاتے نکلتی چلی گئی۔

☆☆☆

لیوسٹی پچھلے دو مہینوں سے نہیں آرہی تھی سویٹا شدت سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ ان دنوں وہ بے حد پریشان رہنے لگی تھی لیوسٹی نے اس ماہ پیسے نہیں بھجوائے تھے اور راشن بھی تقریباً ختم ہونے والا تھا دو دن مزید اسی پریشانی کے عالم میں گزر گئے تیسرے دن لیوسٹی آگئی اس کے ساتھ روز بھی تھا لیوسٹی کی شاندار گاڑی دروازے کے باہر کھڑی تھی گاڑی کی چمک دمک نے آتے جاتے لوگوں کی آنکھیں چندھیا دیں۔

لوگوں نے دروازوں اور کھڑکیوں میں جھانکنا شروع کر دیا بچے روز اور لیوسٹی کو دیکھ کر چیخنے لگے تھے۔

"یہ دیکھو، لیوسٹی اور روز ویلٹ ریسلنگ کی دنیا کے چمکتے ستارے" کچھ نوجوانوں نے روز کی گاڑی پر پتھر برسائے اور فضول فضول قسم کے نعرے بھی لگائے۔

"روز عورت سے ہار گیا ہاہاہا"

وہ قہقہے لگا رہے تھے آوازیں کس رہے تھے روز نے تنفر سے لیوسٹی کے کان میں کچھ کہا وہ شدید غصے میں لگ رہا تھا لیوسٹی نے بمشکل اسے روکا وہ لوگوں کو بچوں اور بوڑھوں کو گندی گندی گالیاں دے رہا تھا سویا سن سی سنتی رہی پھر لیوسٹی نے چند ایک ضروری کام نمٹائے اور سویٹا کے روکنے کے باوجود جلد ہی چلی بھی گئی تھی بغیر خرچہ دیئے۔

یہ دن سویٹا کی زندگی کے انتہائی تکلیف دہ دن تھے راشن ختم ہو چکا تھا اور اس کے پاس اتنے روپے بھی نہیں تھے کہ وہ پیٹ کے دوزخ کو بجھانے کیلئے برگر شاپ سے سستا سا برگر بھی خرید لیتی وہ رات تک بھوکی بیٹھی رہی جب پیٹ میں بھوک کی وجہ سے درد ہونے لگا تو وہ سست قدموں سے چلتی ہوئی پیٹر کے مکان تک آگئی اس رات وہ بے انتہا روئی تھی اپنی تنہائی اور بے بسی پر لیوسٹی کے رویے نے اس کے نازک دل کو بے حد ٹھیس پہنچائی تھی اس دن پہلی مرتبہ اس نے جینی کی طرح پیٹر کا کام کیا تھا چند سوڈالرز کی خاطر، پیٹر کے کپڑے بھی دھوئے اور بدبودار جرابیں بھی اس کے چہرے پر آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرنے لگے تھے پیٹر نے تاسف سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"لیوسٹی بری ہے اور تمہاری ماں اس سے بھی بری بلکہ بدترین ہے" پیٹر نے موٹی سی گالی دی تھی اگلے چار دن کافی اچھے گزر گئے تھے وہ روزانہ پیٹر کے برتن اور کپڑے دھوتی تھی پیٹر بہتر سالہ خبطی بوڑھا تھا بولتے رہنے کا اسے خبط تھا اور طبیعت بھی کافی جھگڑالو تھا شاید اسی لئے کوئی بھی اس

دھکیلتے ہوئے کھڑی ہوگئی تھی۔

''چار سال اس کی محبت میں تڑپتا رہا ہوں'' روز نے آنکھیں مسلتے ہوئے کہا تھا سویٹا کو یہی لمحہ غنیمت لگا تھا وہ ننگے پاؤں سرعت سے دروازے کی طرف بڑھی تھی روز بھی اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے اس کے پیچھے لپکا سویٹا اندھا دھند بھاگتے بیرونی دروازہ عبور کرگئی تھی اس نے پیچھے روز کی خوفناک آواز سنی وہ اسے گالیاں دے رہا تھا۔سویٹا نے مڑ کر دیکھا روز سڑک پر کھڑا کتوں کی طرح بھونک رہا تھا اور اس کے پیچھے ایزن دھواں دھار روتے ہوئے اسے پکارتا جا رہا تھا۔سویٹا نے آخری مرتبہ ایزن کو دیکھا اور گھور تاریکی میں گم ہوگئی۔

☆☆☆

بھوک نے اسے نڈھال کردیا تھا پینتیس گھنٹوں میں اس نے آٹھ مرتبہ پانی پیا تھا اسوقت بھی وہ پانی پی کر سڑک کے کنارے بیٹھے بھکاری کے بالکل پاس آکر بیٹھ گئی اس کے چہرے پر تھکن نے جال بن رکھا تھا جبکہ آنکھیں بے حد سرخ تھیں اس کے قریب بیٹھے بھکاری نے گردن موڑ کر نڈھال گھٹنوں میں سر چھپائے ہوئے ہولے ہولے لرزتی ہوئی لڑکی کو دیکھا تھا شاید وہ اسے بھکاری سمجھ رہا تھا۔اسی لئے بوڑھے بھکاری کے چہرے پر ناگواری پھیلتی چلی گئی۔

''ہو ہو لڑکی'' بھکاری نے گلے سے عجیب وغریب آواز نکال کر شاید اسے پکارا تھا سویٹا نے سر اٹھا کر دائیں طرف دیکھا۔

''یہاں سے اٹھ جاؤ یہ میرا ایریا ہے'' وہ غصے سے بولا تھا سویٹا ناسمجھی کے عالم میں اس کی طرف دیکھتی رہی بھکاری جھنجلا اٹھا تھا۔

''میں کہہ رہا ہوں اس مارکیٹ کے سامنے میں مانگتا ہوں تم اپنے لئے کوئی اور ٹھکانہ ڈھونڈو''

''اوہو اچھا'' سویٹا کے لب مسکرا اٹھے تھے۔

اسی اثنا میں ایک ادھیڑ عمر عورت بہت سے شاپرز ہاتھوں میں پکڑے پھولی سانسوں کے ساتھ ان کے قریب سے گزری تھی۔دو قدم مزید چلنے کے بعد وہ کچھ یاد آنے پر رک گئی شاپرز نیچے رکھنے کے بعد اس نے ہینڈ بیگ میں سے چند سکے نکالے اور بھکاری کی طرف بڑھا دیئے اسی پل اس کی نگاہ اس بے حد حسین لڑکی پر پڑی جو نجانے کس بات پر مسکرائے جا رہی تھی۔

''نی ثریا! دو منٹ رکنا ذرا'' ثریا نے مڑ کر دیکھا وینا بھی ہاتھوں میں مختلف اشیاء سے بھرے تھیلے اٹھائے تقریباً بھاگتے ہوئے ان کے قریب آئی تھی۔

''تم مارکیٹ آئی ہو بھلا مینوں دی پتا ہوندا تو میں وی تمہارے نال ای آجاتی''

وینا نے کمال بے تکلفی کے ساتھ چند تھیلے ثریا کو زبردستی تھما کر طویل سانس خارج کی اور بالکل ثریا کے انداز میں ہی ایک سکہ پرس میں سے نکال کر بھکاری کی طرف بڑھا دیا اسی پل وینا کی نگاہ فٹ پاتھ پر بڑے پرسکون انداز میں بیٹھی سویٹا پر پڑی۔

''نی ثریا! ادھر ویکھ (دیکھ) ہائے نی میں مرجاواں، کوئی حال اے نو جوان جان کڑی ایڈی سوہنی فقیرنی بن کر بیٹھی اے۔کوئی کم کاج کر۔ہائے نی امریکہ آکے وکھرے وکھرے نظارے ای ویکھن نوں ملدے سن'' وینا نے باقاعدہ ہاتھ ملتے ہوئے چلا کر کہا تھا۔

''شکل سے بھکارن تو نہیں لگتی'' ثریا نے بغور اس خوبصورت چہرے کی طرف دیکھا تھا۔

''نا کسے دی شکل تے کش نہیں لکھیا ہوندا'' وینا نے دائیں بائیں سر ہلایا۔

''کیا نام ہے بیٹا تمہارا اور یوں فٹ پاتھ پر کیوں بیٹھی ہو؟'' ثریا نے کچھ سوچتے ہوئے اس کے تھکن زدہ چہرے پر نگاہیں جما کر نرم آواز میں پوچھا تھا۔

اس نے اپنا نام بتایا تھا اور وجہ بھی وہ آپس میں انگلش میں بات کر رہی تھیں۔وینا کچھ دیر تو صبر کے ساتھ سنتی رہی اور پھر قدرے ناراضی سے بولی تھی۔

''مینوں وی کج دسو جی''

''تم میرے ساتھ آؤ'' انہوں نے ایک دم ہی فیصلہ کرلیا تھا۔

''ایہہ ساڈے نال کیوں جارہی اے جی؟'' وینا نے بے چینی سے پوچھا۔

''یہ اب ہمارے ساتھ رہے گی''

''نئی ثریا بہن تسی کی آکھدے ہو میرے پلے تے کج نئی پیا میم ساڈے نال کس طرح رہوے گی'' وینا فکرمندی سے بولی تھی دراصل ثریا نے اپنے نچلے پورشن کو وینا اور وکرم سنگھ کے حوالے کررکھا تھا۔

''جس طرح تم لوگ میرے ساتھ رہتے ہو اسی طرح اب یہ بھی رہے گی'' ثریا نے نرم آواز میں کہا تھا۔

وہ ثریا آنٹی کے گھر میں داخل نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک مضبوط پناہ گاہ میں آگئی تھی یہاں آکر اسے اگرچہ بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا مگر دل و روح میں ایک اطمینان بھی اتر گیا تھا وہ جھیل میں ٹھہرے پانی کی طرح پرسکون ہوگئی تھی۔

ثریا آنٹی کی ذات اس کیلئے بہترین درس گاہ ثابت ہوئی تھی اس نے ان سے وہ کچھ پالیا تھا جس کی اسے تلاش تھی، چاہ تھی اور جب کوئی انسان کوئی کام کرلینے کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ خودبخود ہی اس کیلئے آسانیاں پیدا فرما دیتا ہے اس نے حق کو جاننے کی کوشش اور حق کے راستے پر چلنے کا ارادہ کیا تھا اللہ نے اس کے ذہن اور دل کو کھول دیا تھا اس نے قرآن پاک کی آیات اور احکامات کو دل سے پڑھا سمجھا اور ان پر عمل کیا۔

''قرآن پاک ایک مقدس کتاب ہے''

''قرآن ایک مقدس کتاب ہے''

وہ اپنے ہی دھیان میں مگن پودوں کو پانی دیتے ہوئے زیر لب بڑبڑا رہی تھی جب وکرم سنگھ نے بے انتہا حیرانی سے اس انگریز لڑکی کی طرف دیکھا تھا وہ کام کے سلسلے میں پچھلے چار پانچ ماہ سے شہر سے باہر گیا ہوا تھا اگرچہ اس کی بیوی نے اسے ایک ایسی لڑکی کے بارے میں فون پر باخبر کردیا تھا جو کچھ عرصے پہلے میڈم ثریا کو فٹ پاتھ پر بیٹھی ملی تھی پھر وہ لڑکی میڈم ثریا کے ساتھ ان کے گھر آگئی اور کچھ ہی عرصہ میں اس کی بیوی نے اسے بتایا کہ وہ انگریز لڑکی اسلام قبول کرچکی ہے۔

''کون ہو تم؟'' وکرم سنگھ کچھ سوچتے ہوئے اس کے قریب چلا آیا تھا اس نے کچھ چونک کر اس

درمیانی عمر والے آدمی کی طرف دیکھا اور بولی۔

''میں عائشہ ہوں اور تم؟''

''مجھے وکرم سنگھ کہتے ہیں'' وکرم نے اپنا تعارف کروایا عائشہ نے مسکراتے ہوئے اخلاقاً اس سے حال احوال پوچھا وہ وینا کا شوہر تھا اسی لئے عائشہ کیلئے قابل احترام تھا۔

''وینا اور آنٹی ڈاکٹر کے پاس گئی ہیں تم بیٹھو میں تمہارے لئے کافی لے کر آتی ہوں'' میزبانی کے مکمل آداب بھی اس نے ثریا آنٹی سے سیکھے تھے وہ جب تک کافی بناتی رہی تھی وکرم سنگھ اسے بغور دیکھتا رہا تھا یہاں تک کہ عائشہ کو اس کے یوں ایک ٹک دیکھنے سے الجھن ہونے لگی تھی۔

''تم کہاں سے آئی ہو؟'' اس نے وکرم کو کافی کا مگ پکڑایا تھا اور خود پلٹنے لگی تھی جب وکرم کے بے تکلفانہ سوال کو سن کر ٹھٹک گئی۔

''میں نے اس قسم کا کوئی سوال تم سے پوچھا ہے؟'' عائشہ نے سنجیدگی سے وکرم سنگھ کی طرف دیکھا۔

''نہیں'' وہ حیرانی سے بولا تھا۔

''پھر تمہیں بھی کوئی حق نہیں پہنچتا مجھ سے کوئی بھی سوال پوچھنے کا'' عائشہ رکھائی سے کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگی تھی۔

''سنو'' وکرم بلند آواز میں بولا۔

''کیا ہے'' وہ کرخت لب و لہجے میں کہہ کر اک لمحے کیلئے رکی تھی وکرم نے کافی کا بڑا سا سپ لیا اور بولا۔

''تم اچھی لڑکی ہو''

''مجھے پتا ہے'' وہ تنک کر بولی اور اپنے کمرے میں گھس گئی ان دنوں وہ نماز یاد کر رہی تھی اور قرآن پاک کے تیسویں پارے کی آخری سورتیں بھی حفظ کر رہی تھی پھر اس نے جائے نماز بچھایا اور نوافل ادا کیے وہ دن میں کئی کئی مرتبہ نوافل ادا کرتی تھی تا کہ اسے نماز کا طریقہ نہ بھول جائے نفل ادا کرنے کے بعد اس نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھا لئے تھے پہلے پہل وہ نماز پڑھنے کے بعد بغیر دعا کیے ہی اٹھ جاتی تھی پھر ثریا آنٹی نے ہی اسے دعا مانگنے کا طریقہ بتایا تھا۔

''دعا عبادت کا مغز ہوتی ہے'' ثریا آنٹی نرمی سے بتاتی تھیں یوں اب وہ بہت طویل دعا مانگنے لگی تھی اس دعا میں صرف اور صرف ایزن کا ذکر ہوتا تھا اس کا دل ایزن کی یاد میں ہر وقت تڑپتا رہتا تھا۔

پنکی کے اونچا بولنے اور رونے چلانے کی آواز سن کر وہ ٹھٹک گئی تھی اور پھر سر جھٹکتے ہوئے باہر آ گئی۔

''تم نے گھر کو گیسٹ ہاؤس بنا لیا ہے''

''بکومت'' ثریا آنٹی بے زاری سے بولی تھیں۔

''میری باتیں تمہیں زہر سے بھی بری لگتی ہیں'' بس اس ''سکھنی'' کی ہر بات پسند ہے یا پھر

اس گوری کی پنکی تنتنا اٹھی تھی۔ غصے کے عالم میں اس کے چہرے کا رنگ مزید سیاہ ہو جاتا تھا۔

''چلی جا اپنا کام کر میرا دماغ نہ کھاؤ''

''مجھے بھی تمہارے پاس بیٹھنے کا کوئی شوق نہیں ہے میں کہہ رہی ہوں کہ اس میم کو یہاں سے چلتا کرو ممی! ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا'' پنکی نے ثریا آنٹی کو دھمکانا چاہا۔

''تجھ سے برا کوئی ہو بھی کیسے سکتا ہے'' ثریا آنٹی آزردگی سے بولی تھیں پنکی دھپ دھپ کرتی باہر نکلتی چلی گئی۔

❀ ❀ ❀

"میں جاب کرنا چاہتی ہوں آنٹی" اگلی صبح ناشتے کی میز پر اس نے ثریا آنٹی سے اجازت طلب کی تھی۔ ثریا آنٹی کا گویا سیروں خون بڑھ گیا۔

"شوق سے کرو بیٹی! بلکہ میں وکرم سے بات کرتی ہوں وہ جس ہوٹل میں کام کرتا ہے وہاں تمہارے لئے بھی جگہ بنا دے گا"

صرف ایک ہفتے بعد وکرم سنگھ کی مہربانی سے اسے ایک معیاری ہوٹل میں جاب مل گئی تھی ڈیوٹی جوائن کرنے کے بعد وہ ایک دم ہلکی پھلکی ہوگئی تھی پھر جب اس نے پہلی تنخواہ لاکر ثریا آنٹی کی ہتھیلی پر رکھی تو انہوں نے بے ساختہ اس کی پیشانی کو چوم کر تمام پیسے واپس کر دیئے۔

"عائشہ ان پیسوں کو تم جمع کرو مشکل وقت میں کام آئیں گے مشکل وقت بھی تو بغیر آہٹ کیئے دبے پاؤں آجاتا ہے" ثریا آنٹی نے نرمی سے اسے سمجھایا تھا۔

ثریا آنٹی کے کہنے پر ہی وہ وکرم سنگھ کے ساتھ آنے جانے لگی تھی ورنہ پہلے ہفتے تو وہ لوکل بس کے ذریعے ہی آتی جاتی تھی وقت گزرنے کے ساتھ وہ وکرم سنگھ کی شرافت اور اخلاق سے متاثر ہو گئی تھی۔

وہ دن چھٹی کا تھا امریکہ کے اس خوصورت شہر میں سنہری دھوپ نے پر مارا تو گویا ہر شے چمک اٹھی تھی۔ وہ ٹیرس پر بیٹھی قرآن پاک کی تلاوت کررہی تھی اب وہ قرآن پاک کو عربی زبان میں پڑھنے لگی تھی تلاوت کرنے کے بعد اس نے قرآن پاک کو چوما آنکھوں سے لگایا اور احترام سے اپنے کمرے کی الماری کے اوپر رکھ آئی ایک مرتبہ پھر نرم گرم دھوپ کا مزا لیتے ہوئے وہ اپنی گزشتہ زندگی کو سوچنے لگی اور پھر ایکدم ہی جھرجھری سی لے کر خود کو تمام سوچوں سے آزاد کر کے خوشنما پھولوں کی طرف دیکھنے لگی کچھ ہی دیر بعد وکرم ہاتھ میں چائے کا مگ پکڑے آ گیا۔

"چائے پیوگی عائشہ؟"

"نہیں" اس کے ہاتھ میں موجود اکلوتے کپ کو دیکھ کر اس نے انکار کردیا وکرم چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے اس کے چہرے کا جائزہ لینے لگا تھا۔

"تم انڈیا کب جارہے ہو؟" اس معنی خیز خاموشی سے بے زار ہو کر عائشہ نے سرسری پوچھا۔

"پرسوں وینا چلی جائیگی" وہ بے خیالی میں بولا تھا۔

"تم نہیں جاؤ گے؟"

"نہیں"

"عائشہ میں تمہیں کچھ دینا چاہتا ہوں" کچھ پل مزید خاموش رہنے کے بعد وکرم نے کچھ جھجکتے

ہوئے کہا تھا۔

"کیا" عائشہ نے چونک کر وکرم سنگھ کی طرف دیکھا۔

"یہ لو اسے بہت غور سے پڑھنا اور پھر کوئی بھی فیصلہ کرنا دراصل میں تمہیں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ تمہاری راہنمائی ٹھیک سے نہیں ہوئی تم نے جلد بازی سے کام لیا ہے ثریا میڈم نے تم سے کہا اسلام قبول کرلو اور تم نے کرلیا تمہیں پہلے سوچنا چاہیئے تھا پھر" کچھ دیر بعد وہ ایک سفید کپڑے میں لپٹی کتاب اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا تھا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" عائشہ نے ناگواری سے کہا تھا۔

"یہ ہماری مقدس کتاب ہے اگر تم"

"وکرم سنگھ" ثریا آنٹی نہ جانے کب ٹیرس پر آئی تھیں مارے غصے اور اشتعال کے ان کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا وکرم بوکھلا کر ایک دم کھڑا ہوگیا تھا اور پھر نہ جانے کتنے گھنٹے وہ ثریا آنٹی سے معافی مانگتا رہا تھا جنہوں نے اسے گھر سے نکل جانے کا حکم دیا تھا وہ اس مشرک کو مزید ایک پل بھی اپنے گھر میں نہیں ٹھہرانا چاہتی تھیں وکرم اور دینا کے جانے کا سن کر پنکی بہت خوش ہوئی تھی۔

"چلو دو بلائیں تو ٹل گئیں" وہ سارے گھر میں تھرکتی پھر رہی تھی۔

"تو نے اپنے مستقبل کے بارے میں کیا سوچا ہے پنکی! کیوں ماں کو اتنا ستاتی ہو؟ تیرے غم میں گھٹ گھٹ کے میں ایک دن ختم ہو جاؤں گی" رات کو پنکی کا موڈ خوشگوار دیکھ کر ثریا نے ایک مرتبہ پھر اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"میرے ساتھ تو نہ جانے کون سا بیر باندھ رکھا ہے تم نے ممی! میری خوشی برداشت ہی نہیں ہوتی تم سے" وہ غصے سے چلائی تھی۔

"میں ماں ہوں تیری" ثریا کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

"جانتی ہوں" پنکی نے برا سا منہ بنایا۔

"سنو سوینا! آج میرے ساتھ کلب چلو گی؟" پنکی نے بہت عرصے بعد اسے براہ راست مخاطب کیا تھا۔

"نہیں" اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"کیوں" پنکی کو عادتاً ایک مرتبہ پھر غصہ آگیا تھا۔

"زیادہ نیک پروین بننے کی ضرورت نہیں ہے چلو میرے ساتھ" وہ ضدی لب و لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"کہا نہ میں نہیں جاؤں گی ابھی نماز پڑھوں گی، پھر قرآن پاک کی تلاوت کروں گی اس کے بعد ایک طویل نیند لینے کا ارادہ ہے میرا" اس نے مختصراً اپنا شیڈول پنکی کو بتایا تھا۔

"اس بڑھی نے تمہیں کہیں کا نہیں چھوڑا پاگل کردے گی تمہیں یہ عورت" پنکی نے ہمیشہ والے الفاظ دہرائے تھے ثریا آنٹی کی رنگت پل بھر میں ہی زرد ہوگئی تھی۔

"مجھے شور ہنگاموں سے نفرت ہے میں آنٹی کے پاس سکون محسوس کرتی ہوں" وہ پنکی کے غصے کو ٹھنڈا کرنا چاہتی تھی۔

گئی تھیں۔

یہ نظر کا دھوکہ نہیں تھا، بلکہ وہ واقعی عائشہ تھی جو کہ ہوش و خرد سے بے گانہ ٹھنڈے فرش پر بے سدھ پڑی تھی اس کے قریب ہی چار ساڑھے چار سال کا بچہ ننھی منی آنکھوں کو کھولے احمر کو حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔

''عائشہ یہاں اس حالت میں کیسے پہنچی ہے؟''

فارینہ کے لبوں نے بے آواز حرکت کی تھی اور پھر وہ اور احمر عائشہ کو جھنجوڑنے لگے تھے۔

''احمر! اسے ہسپتال لے چلتے ہیں'' فارینہ پریشانی سے بولی۔

''ہاں ٹھیک ہے'' احمر لب بھینچتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

عائشہ کو فوراً ہی ایڈمٹ کر لیا گیا تھا ڈاکٹرز کے کہنے کے مطابق اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا اور اگلے چھتیس گھنٹے اس کیلئے بے حد خطرناک تھے اگر اسے ہوش نہ آیا تو وہ کوما میں چلی جائے گی کومے کا دوسرا نام بھی موت تھا ہی ہے وہ ایسی زندگی جیئے گی جو موت کی طرح ہو گی کوئی بڑا صدمہ، دکھ یا غم جس نے اس کے دماغ کو مفلوج کر دیا تھا اس کی یہ حالت کیسے ہوئی؟ علی کا نمبر کیوں بند ہے؟ کیا ان دونوں کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا ہے؟ اور یہ بچہ کون ہے؟ ان ڈھیر سارے سوالیہ نشانوں نے احمر کو چکرا کر رکھ دیا عائشہ آئی سی یو میں تھی فارینہ کو بتا کر ہسپتال کے احاطے سے نکل آیا تھا۔

احمر کو اچانک خیال آیا تھا کہ علی کو یقیناً ڈاکٹر اریتھ کے کلینک میں ہونا چاہئے زین ڈاکٹر اریتھ کے کلینک میں ایڈمٹ تھا احمر نے کیتھی (نرس) سے فون پر رابطہ کیا۔

''مسٹر علی کل رات سے کلینک نہیں آئے'' نرس پروفیشنل لب و لہجے میں بولی تھی۔

''زین کے پاس اس وقت کون ہے؟'' علی اپنی گھبراہٹ پر بمشکل قابو پا کر بولا۔

''زین کی مدر'' کیتھی نے مطلوبہ معلومات دینے کے بعد فون بند کر دیا تھا احمر کچھ سوچ کر علی کے فلیٹ کی طرف آ گیا راستے بھر عجیب و غریب خیالات نے اسے حد درجہ متوحش کر رکھا تھا۔

فلیٹ کا دروازہ لاکڈ تھا علی الٹے قدموں واپس مڑا وہ کلینک میں بھی نہیں تھا گھر میں بھی نہیں تھا تو پھر علی تھا کہاں گیا اسے نہیں پتا کہ اس کی بیوی رات بھر میرے دروازے پر زخمی حالت میں پڑی کراہتی رہی ہے۔

اس وقت عائشہ کی کتنی بری کنڈیشن ہے وہ موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہے کیا علی اس تمام صورتحال سے انجان ہے؟

''نہیں، ہرگز نہیں'' احمر نے دائیں بائیں سر ہلایا اور ایک مرتبہ پھر ہسپتال کی طرف گاڑی کا رخ کر لیا۔

علی کہاں تھا یہ تو خود اسے بھی معلوم نہیں تھا اس برفانی رات کے تیسرے پہر وہ اپنی ذات میں گم ہو جانے والے حصے کو اندھیرے میں تلاش کر رہا تھا وہ خود اپنے آپ کو تلاش کر رہا تھا۔

صرف اور صرف پینتیس سیکنڈز نے اسے زندوں سے مردوں کی صف میں لا کھڑا کیا تھا۔

وہ خود کو اسی پل اسی لمحے مٹی کا ڈھیر محسوس کر رہا تھا ایسا ڈھیر جس میں سانس باقی نہیں رہی تھی

جس کی نمی چند لمحوں میں ہی خشک ہو گئی تھی۔

''میں نے تم پر اعتماد کیا، اعتبار کیا، تمہیں گھر دیا، سائبان دیا، محبت دی اور بدلے میں مجھے کیا ملا صرف اور صرف دھوکہ'' وہ آنکھیں موندے عائشہ کے پیکر سے مخاطب تھا۔

''تم کون تھیں کہاں سے آئی تھیں؟ میں نے تم سے کوئی سوال نہیں کیا کچھ بھی نہیں پوچھا کیا مجھ سے بڑھ کر بھی کوئی احمق ہو گا'' اس کی آنکھ سے ایک ستارہ ٹوٹا تھا وہ چہرہ صاف کر کے زیر لب بڑبڑاتا رہا۔

''میں تم سے نفرت کرتا ہوں، شدید ترین نفرت، سنا تم نے'' وہ بلند آواز میں چلایا تھا اور پھر تھکے تھکے قدموں سے چلتا ہوا اپنے گھر کی طرف آ گیا وہ گھر جو اب ایک دفعہ پھر ان کا ہو گیا تھا۔

اس گھر میں کل تک وہ پورے استحقاق سے چلتی پھرتی چھوٹے چھوٹے کام نبٹاتی نظر آتی تھی اب وہ کہیں نہیں تھی مگر اس کی یادیں، باتیں اس کی ہنسی کی جھنکار اسے ہر سمت سنائی دے رہی تھی وہ بے دھیانی کے عالم میں ہر شے کو بغور دیکھ رہا تھا پھر اس کے ذہن میں گویا جھما کا ہوا تھا اسے یاد آیا کہ آج زین کا آپریشن ہے۔ وہ تو چند گھنٹے پہلے گویا دنیا بھلائے بیٹھا تھا اپنے ہی غموں پر ماتم کرتے ہوئے وہ یکسر بھول چکا تھا کہ اس کا بیمار کمزور بھائی رات سے اس کی راہ تک رہا ہے۔

وہ اپنی ٹوٹی، بکھری ذات کی کرچیاں سمیٹتے خود پر بے حسی کا خول چڑھائے جب ڈاکٹر اریتھ کے کلینک میں پہنچا تو زین کو آپریشن تھیٹر میں لے جایا جا چکا تھا۔

زرینہ اسے کوریڈور میں بیٹھی نظر آ گئیں ان کی نگاہیں بھی آپریشن تھیٹر کے دروازے پر جمی ہوئی تھیں زین کا آپریشن ساڑھے آٹھ گھنٹے جاری رہا اک طویل صبر آزما انتظار کے بعد ڈاکٹر اریتھ نے کامیابی کی خوشخبری سنا کر اسے پھر سے زندہ کر دیا کچھ دیر بعد زین کو پرائیویٹ روم میں شفٹ کر دیا گیا ایک گھنٹے بتیس منٹ بعد اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

زین نے سب سے پہلے اپنے بھائی سے ملنے کی خواہش ظاہر کی پھر اس نے عائشہ کے متعلق استفسار کیا وہ عائشہ کو نہ پا کر بے حد حیران تھا۔

''بھابی کیوں نہیں آئیں؟''

''تم اب کیسا محسوس کر رہے ہو؟'' علی نے سنی ان سنی کر کے بے حد پیار سے اس کی پیشانی کو چوما تھا۔

''ٹھیک ہوں'' وہ آہستگی سے بولا تھا۔

''میں چلتا ہوں اب اور ماما کو بھیجتا ہوں وہ تم سے ملنے کو بے تاب ہو رہی ہیں'' علی مزید سوالات سے بچنے کیلئے فوراً ہی باہر نکل گیا کچھ دیر بعد زرینہ آنکھوں میں ڈھیروں آنسو لئے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

''میرے چاند، میرے بیٹے'' زرینہ نے چٹا چٹ کئی بوسے اس کے سر اور منہ کے لے ڈالے تھے۔

''میری دعائیں قبولیت کا درجہ پا گئیں اللہ نے تمہیں نئی زندگی سے نوازا ہے'' وہ آنکھیں رگڑتے ہوئے بولیں۔

''درد تو نہیں ہو رہا؟'' اسے مسلسل خاموش دیکھ کر زرینہ نے فکرمندی سے کہا تھا زین نے نفی میں سر ہلایا۔

''ماما بھائی کو کیا ہوا ہے یہ اتنے چپ چپ کیوں تھے؟'' نگاہوں میں مچلتا سوال نوک زبان پر آ گیا تھا۔

زرینہ نے کچھ پل کیلئے سوچا اور پھر بولیں۔

''ہونا کیا ہے میم کا فراڈ کھل گیا تمہیں کیا بتاؤں زین اسکا تو چار پانچ سال کا بیٹا ہے۔ علی کو تو کل پتا چلا ہے بے چارے کی حالت دیکھ کر میرا دل کٹنے لگا ہے بلا کیا ضرورت تھی میم سے بیاہ کرنے کی'' زرینہ نے مصنوعی تاسف سے کہا وہ تو کل رات سے ہی بے انتہا خوش تھیں عائشہ نام کا کانٹا خود بخود ہی نکل گیا انہیں کسی قسم کی کوئی پلاننگ کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔

''آپ کیا کہہ رہی ہیں ماما'' زین کمزور آواز میں گھبرا کر بولا۔

''یہی سچ ہے پوچھ لینا اپنے بھائی سے''

''بھابی اب کہاں ہیں؟''

''علی نے اسے گھر سے نکال دیا ہے بے غیرتی کی حد دیکھو بچے کو لے کر آ گئی تھی علی نے خوب بے عزت کیا مارا پیٹا اور گھر سے نکال دیا اب نہ جانے کہاں چلی گئی ہے بچے کو لے کر'' زرینہ چٹخارہ لے کر من و عن سارا قصہ سنانے لگی۔

''میرا دل نہیں مانتا۔ وہ ایسی نہیں ہیں'' زین نے افسردگی سے کہا تھا زرینہ کو بہت برا لگا تھا۔

''اب تم علی کے سامنے یہ ذکر نہ لے کر بیٹھ جانا''

''ماما! میں گھر جانا چاہتا ہوں'' زین بے چینی کے عالم میں چھت کو گھورنے لگا تھا۔

''ہاں ہاں ہفتے دو ہفتے تک ڈاکٹر تمہیں چھٹی دے گا''

''یقیناً بھائی کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے مجھے عائشہ بھابی سے ملنا چاہئے مگر وہ ہیں کہاں'' زین پر غنودگی طاری ہو رہی تھی گہری نیند میں جانے سے پہلے وہ مسلسل عائشہ کے متعلق سوچ رہا تھا۔

ادھر زرینہ جل بھن رہی تھی' بیٹے کا بھائی اور میم کیلئے اتنا کانشیس ہونا انہیں سخت زہر لگ رہا تھا

''علی زین کی کوئی بھی بات نہیں ٹالتا کہیں وہ زین کے کہنے پر میم کو واپس نہ لے آئے'' انہوں نے فکرمندی سے سوچا تھا۔

''ایسا نہیں ہونا چاہیے کبھی بھی نہیں'' زرینہ نے تنفر سے زیر لب کہا اور صوفے پر نیم دراز ہو گئیں۔

رات کو احمر آ گیا تھا وہ بے حد پریشان اور الجھا الجھا سا تھا زین چونکہ سو رہا تھا اسی لئے وہ زرینہ کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

''آنٹی علی کہاں ہے؟''

''اس وقت تو گھر پر ہی ہوگا'' انہوں نے بے نیازی سے کہا۔

''میں ابھی گھر سے ہی ہو کر آ رہا ہوں موبائل اس کا آف ہے خود نہ جانے کہاں ہے'' اس نے اپنے الجھے ہوئے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

''آنٹی! علی اور عائشہ کا کسی بات پر جھگڑا ہوا ہے؟'' زرینہ کو امید نہیں تھی کہ وہ براہ راست اس سے یہ سوال کر ڈالے گا۔

''میں کچھ نہیں جانتی'' وہ صاف مکر گئیں۔

''علی نے عائشہ کو مارا ہے اس کے سر پر شدید چوٹ آئی ہے اور وہ ہسپتال میں ہے''

''تو میں کیا کروں'' زرینہ نے تنفر سے سوچا۔

''ان کی لڑائی کی وجہ کیا وہ بچہ ہے؟؟'' احمر نے بغور زرینہ کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو دیکھا۔

''ہاں۔ شاید'' زرینہ نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا تھا احمر نے ایک طویل سانس کھینچا وہ بچہ جو اپنا نام ایزن بتاتا ہے ان سب کیلئے ایک معمہ بن گیا تھا ایزن کے بقول ایک انکل نے اس کی مے می کو بہت مارا تھا، گالیاں بھی دیں اور پھر دھکے دے کر گھر سے نکال دیا تھا۔

ایزن بتا رہا تھا کہ مے می سوبٹا اس کی ماں ہے اس کے باپ کا نام روز ویلٹ ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا۔

یہ انکشاف کم از کم احمر کے قدموں کے نیچے سے زمین سرکا گیا تھا کبھی وہ شیشے کے پار بمشکل سانس لیتی عائشہ کو دیکھتا اور کبھی اس کے تصور میں علی کا چہرا لہراتا احمر کے دل پر گویا منوں بوجھ آ پڑا تھا اگر یہ سچ تھا تو انتہائی شرمناک تھا اگر جھوٹ تھا تب بھی اذیت سے بھرپور تھا

اس معمے کو کون حل کرتا اس حقیقت سے پردہ اٹھانے والی خود زیست کی کشمکش میں مبتلا ہوش و خرد سے بے گانہ تھی۔

تو کیا اب ہمیں اس کے ہوش میں آنے تک اک طویل صبر آزما انتظار کرنا پڑیگا؟ کیا علی اتنا انتظار کر سکتا ہے؟ وہ تو جتنا سوچتا تھا اتنا ہی الجھتا جا رہا تھا۔

علی اس کا بہترین دوست، احمر اسے اچھی طرح جانتا تھا وہ اس کے مزاج سے آشنا تھا علی بے حد شدت پسند تھا نفرتوں میں بھی اور محبتوں میں بھی علی کو اپنے باپ سے بے انتہا محبت تھی مگر جب اس کے باپ نے اس سے نگاہیں بدلیں تو اس کے بعد علی نے کبھی بھی باپ سے محبت اور توجہ کی بھیک طلب نہیں کی تھی۔

تہمینہ نے خود علی کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا پھر جب اس کی شخصیت کی پرتیں کھلیں تو علی نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا تک نہیں تھا۔

گیارہ سال امریکہ جیسے ملک میں رہنے کے باوجود اس نے کبھی کسی عورت کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔

گیارہ سال بعد اس نے شادی کا ارادہ بھی کیا تو ایک انگریز عورت کے ساتھ احمر اور فارینہ دونوں ہی حیران تھے۔ علی نے اپنے نکاح سے تین گھنٹے پہلے فون پر اطلاع دی تھی کہ وہ شادی کر رہا ہے۔

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے نا؟ کہیں کچھ پی تو نہیں بیٹھے ہو'' احمر حیران پریشان سا چیخا تھا وہ اور فارینہ اسے شادی کیلئے کہہ کہہ کر تھک چکے تھے مگر اس کی نہ ہاں میں نہیں بدلی تھی۔

"یہی سچ ہے"

"کون ہے وہ نیک بخت؟"

"کچھ دیر بعد خود بخود ہی پتہ چل جائے گا" علی نے جواباً سسپنس پھیلانے کی کوشش کی تھی۔

"زیادہ ہیرو بننے کی ضرورت نہیں ہے جلدی سے پھوٹو کون ہے وہ"

"مجھے نہیں پتا کہ کون ہے وہ صرف اتنا جانتا ہوں کہ ساٹھ گھنٹے اور بارہ منٹ پہلے تمہارے یار کو اس لڑکی سے محبت ہو گئی ہے مجھے یوں محسوس ہونے لگا ہے کہ اگر وہ مجھے نہ ملی تو میں ادھورا رہ جاؤں گا"

علی اتنے دلنشین انداز میں ٹھہر ٹھہر کر بولا تھا کہ احمر حیران ہی تو رہ گیا۔

"تم عائشہ کے بارے میں کتنا جانتے ہو؟" اس کی شادی کے ڈیڑھ ماہ بعد احمر اس سے پوچھ رہا تھا جواباً وہ لاپرواہی سے بولا۔

"کچھ بھی نہیں"

"تم نے یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر کیا ہے نا؟"

"سوچا تو بہت ہے مگر دماغ سے نہیں دل سے" وہ اب بھی غیر سنجیدہ تھا احمر تپ اٹھا۔

"میں پوچھ رہا ہوں کہ عائشہ کا ماضی کیا ہے؟"

"مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے ہاں اتنا ضرور یقین ہے کہ اس کا ماضی بے داغ ہے اس کا کردار مضبوط ہے وہ شبنم کے قطرے کی طرح پاکیزہ اور مقدس ہے صبح صادق کی تمام پاکیزگی اس کی آنکھوں میں حیا کی لالی بن کر پھیلی ہے اس کی سابقہ زندگی کے بارے میں سوال کر کے خود کو اس کی نگاہوں میں گرانا نہیں چاہتا" علی نے مضبوط لب و لہجے میں کہہ کر بات کو سمیٹ دیا تھا یوں کہ احمر مزید کچھ بھی نہیں کہہ سکا تھا اور اب اس وقت اس لمحے احمر، علی کے یقین ٹوٹنے، اعتماد کے ریزہ ریزہ ہو جانے پر پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔

"میں کس طرح اپنے دوست کا سامنا کروں گا" اس نے آزردگی سے سوچا۔

☆☆☆

تین دن بعد علی خود ہی اس کے گھر آ گیا تھا اور پہلی مرتبہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے کچھ کہنے کیلئے الفاظ ڈھونڈنے پڑ رہے تھے وہ دونوں ہی اپنی اپنی سوچوں میں گم بیٹھے تھے فارینہ مونا کو ساتھ لئے ہسپتال جا چکی تھی ایزن مونا کے کمرے میں کھلونوں سے کھیل رہا تھا۔

"زین کی طبیعت اب کیسی ہے؟" کافی دیر سوچنے کے بعد احمر کو بولنے کیلئے الفاظ مل ہی گئے تھے علی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"ٹھیک ہے" وہ مختصر بولا۔

احمر بغور علی کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا صرف چند دنوں میں ہی اس کے چہرے کی شگفتگی ماند پڑ گئی تھی۔ اس کی آنکھیں بھی سوجی سوجی سی تھیں۔

"اتنا شدید ردعمل دکھانے کی کیا ضرورت تھی اتنا مارا ہے تم نے اسے اگر پولیس شکایت کر دیتی، مر جاتی تو؟......"

"اچھا تھا نا پھانسی کے تختے پر لٹک جاتا ذلت کے اس بوجھ سے تو نجات مل جاتی" علی نے جلتی ہوئی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر اذیت سے کہا۔

"وہ ہسپتال میں ہے" احمر دھیمی آواز میں بولا تھا۔

"تو میں کیا کروں" علی کے اندر بھانبھڑ جل رہے تھے وہ نچلا لب دانتوں سے کچل رہا تھا یہاں تک کہ خون کی ننھی سی بوند چھلک پڑی۔

"تم اسے دیکھنے نہیں جاؤ گے؟"

"کیا مجھے جانا چاہئے" اس نے کٹیلی نگاہوں سے احمر کو گھورا

"علی! ہمیں غلط فہمی بھی تو ہو سکتی ہے" احمر نے اس کے شانے پر نرمی سے دباؤ ڈال کر کہا تھا

"اونہ غلط فہمی" علی نے تنفر سے سر جھٹکا۔

وہ گھر آیا تو زین اور زرینہ پہلے سے موجود تھے وہ ان دونوں سے نگاہیں چرائے اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا۔

"بے چارہ علی" زرینہ لبوں میں ہنسی دبائے مصنوعی سنجیدگی سے بولی تھیں زین نے غصے سے ماں کی طرف دیکھا۔

"ان مغربی عورتوں کا بھلا کیا بھروسہ، شکر ہے روپیہ پیسہ لے کر فرار نہیں ہوئی" زرینہ نے ٹی وی آن کر کے آواز قدرے اونچی کر لی تا کہ علی تک ان کے نادر خیالات نہ پہنچ جائیں۔

"توبہ توبہ چار پانچ سال کا بچہ چھوڑ کر دوسرا بیاہ رچا لیا ان عورتوں کی حیا تو نہ جانے کہاں سوئی ہے"

وہ مسلسل گوہر افشانی کئے جا رہی تھیں زین کے صبر کا پیمانہ چھلک پڑا۔

"ماما! برا بولنے سے خاموشی بہتر ہے آپ کسے سنا رہی ہیں ان دیواروں کو ٹی وی کو یا پھر مجھے؟"

"میرے بیٹے کو تو میری ہر بات ہی بری طرح چبھتی ہے کیا منہ پر ٹیپ چپکا لوں یا زبان کاٹ ڈالوں اپنی" انہوں نے تنک کر کہا اور ریموٹ کارپٹ پر پھینک دیا۔

"یہ مت بھولیں کہ آپ بھائی کے گھر میں بیٹھی ہیں اور انہی کے متعلق فضول گوئی کر رہی ہیں" زین نے انہیں سمجھانا چاہا۔

"ویسے تو بڑے عقلمند بنتے ہو اپنے مستقبل کے بارے میں ہی بھائی سے بات کر لو جب اس کے پاس کچھ نہ رہا تو پھر تم منہ ہی دیکھتے رہنا یہی تو مناسب موقع ہے اب خیر سے تم تندرست ہو مسلسل دوائیوں کے استعمال سے بھلے چنگے ہو جاؤ گے دنوں میں ابھی سے اس کے کان میں بات ڈالو گے تو بات بنے گی کب تک اس کے در پر پڑے رہنا ہے" زرینہ نے جلبلا کر دل کی بھڑاس نکالی زین تاسف سے ماں کی طرف دیکھتا رہا۔

زین کا آپریشن کامیاب رہا تھا اگر نہ بھی ہوتا تو تب بھی انہیں یہاں سے جانا نہیں تھا اب تو تحریم زین کے قریب رہنے کا بہانہ مل گیا تھا وہ چاہتی تھیں کہ زین جلد از جلد اپنے پیروں پر کھڑا ہو

جائے زین تو کم عمر تھا نا سمجھ تھا اس کے پاس کوئی تجربہ بھی نہیں تھا وہ صرف زین کے کندھوں پر
بندوق رکھ کر چلانا چاہتی تھیں انہیں صرف کاروبار کرنے کیلئے علی سے سرمایہ درکار تھا وہ اپنے قدم
امریکہ میں جمانے کے بعد سوہا اور سوما کو بھی اپنے پاس بلانا چاہتی تھیں جنہوں نے صرف دو مہینے
ہی بمشکل شوہروں کو بھگتایا تھا اب خیر سے دونوں ہی ہاسٹل میں رہ رہی تھیں۔
دراصل زرینہ کا جس ''قبیلے'' سے تعلق تھا وہاں بیٹیوں کو بڑھاپے کا سہارا سمجھا جاتا ہے۔
زرینہ کی ماں بھلے وقت میں بیٹی کو لے کر اندرون شہر کے ایک شریفوں کے محلے میں آن بسی
تھی مگر یہ شرافت اسے کچھ راس نہیں آئی تھی ادھر بیٹی نے نرسنگ کا کورس مکمل کیا اور ادھر ماں اپنے
کسی سابقہ عاشق کے ساتھ فرار ہو گئیں زرینہ ماں کے اس عمل سے سخت دلبرداشتہ ہوئی تھی تاہم وہ
بھی ماں کے ہی نقش قدم پر چل رہی تھی خوبصورتی اسے وراثت میں ملی تھی اس حسن و دلکشی کو زرینہ
نے خوب کیش کروایا تھا پہلے ڈاکٹر منیر جیسے شریف آدمی کو حسن کے جال میں پھانسا اور پھر سیٹھ
حارث جیسے مالدار بندے پر لٹو ہو گئی اس دوران اس کی ماں تہمینہ کو اس کے حوالے کر کے وفات
پا گئی تھی۔ ساری رات وہ مستقبل کی پلاننگ میں مصروف رہی تھیں زین دوسرے کمرے میں بے خبر
سو رہا تھا۔
اگلے دن وہ ایک مرتبہ پھر اس کے روبرو تھیں۔
''زین بیٹا! آج تم ضرور علی سے بات کر لو'' انہوں نے لہجے میں ڈھیروں مٹھاس بھر کے زین کو
پچکارتے ہوئے کہا تھا زین ان کی بار بار کی تکرار سن کر زچ ہوا تھا۔
''ماما! مجھے ٹھیک تو ہونے دیں ابھی میں اپنا بوجھ نہیں اٹھا سکتا بغیر سہارے کے چل نہیں سکتا
کاروبار کیا خاک کروں گا مجھے خود بھی بھائی پر بوجھ بننا پسند نہیں ہے پہلے ہی میرے علاج پر انہوں
نے اتنی بھاری رقم خرچ کر ڈالی ہے''
''لو یہ تو اس کا فرض تھا تم اس کے چھوٹے بھائی ہو'' زرینہ نے منہ بنا کر کہا۔
''ہاں سارے حقوق و فرائض انہی کے کھاتے میں ڈالتے جائیں ہمارا تو کوئی فرض نہیں بنتا
'' زین غصے سے بولا تھا۔
''ہمیں کون سا اس نے کبھی اپنا سمجھا ہے میری تو ہمیشہ اس نے توہین، تذلیل کی ہے مجھے کبھی
اس نے ماں نہیں سمجھا''
''آپ نے بھی تو کبھی ماں بننے کی کوشش نہیں کی''
زین آزردگی سے بولا تھا زرینہ نے ایک کٹیلی نگاہ اس پر ڈالی۔
''آج تم ہر صورت علی سے بات کرو گے''
''میں فی الحال بھائی سے اس قسم کی کوئی بات نہیں کروں گا'' زین دھیمے مگر سخت لہجے میں بولا تھا

''تم میری بات نہیں مانو گے'' زرینہ نے تیوری چڑھا کر زین کی طرف دیکھا۔
''نہیں'' اس کے دوٹوک انکار پر زرینہ کو ایک مرتبہ پھر اپنے لہجے کو نرم کرنا پڑا تھا۔
''تم اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاؤ تو میں بھی چین سے مروں ہر ماں کی خواہش ہوتی ہے

اس کا بچہ کامیاب ہو میری خواہش انوکھی تو نہیں''
''میں بھی علی بھائی جیسی کامیابی چاہتا ہوں انہی کی طرح مضبوط بننے کی خواہش ہے میری، وہ
اپنی محنت سے آج اس مقام پر ہیں میں بھی''
''اچھا بس بس سن لیا ہے میں نے مزید تقریر کرنے کی ضرورت نہیں تم کنویں کے مینڈک
بنے رہنا چاہتے ہو تو شوق سے بنو، میں کیا کر سکتی ہوں سوائے تمہاری عقل پر افسوس کرنے کے''
زرینہ دانت پیس کر بولی تھیں پھر غصے میں بڑبڑاتے ہوئے اس کے کمرے سے نکلتی چلی گئیں
زین نے تھک ہار کر سر تکیے پر پٹخ دیا۔
''ماں! مجھے یوں میری نظروں سے مت گراؤ''

☆☆☆

''احمر بھائی میں بھابی سے ملنا چاہتا ہوں''
''ہاں، کیوں نہیں میں تمہیں عائشہ سے ملوانے لے چلوں گا مگر ابھی نہیں ایک دو ہفتے تم مزید
ریسٹ کرو'' احمر نے خوشدلی سے کہا تھا وہ آج آفس جانے کے بجائے سیدھا ادھر آ گیا تھا۔
''بھائی! ڈاکٹرز بھابی کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟'' وہ عائشہ کے لیے کس قدر پریشان تھا
اس کی آنکھوں اور چہرے سے اس کے باطن کی کیفیت عیاں ہو رہی تھی عائشہ کیلئے دعا کرنے
والے ہاتھ موجود تھے احمر نے نرمی سے تسلی دینے والے انداز میں زین کے گال کو تھپکا اور پھر گہری
سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔
''ڈاکٹرز کے کہنے کے مطابق وہ غیر معینہ مدت تک کومے میں چلی گئی ہے اس کی بے ہوشی کا
وقفہ طویل بھی ہو سکتا ہے چھ ماہ سے لے کر چھ سال تک یا اس سے بھی زیادہ''
''مجھے علی بھائی کے کٹھور رویے پر سخت حیرت ہو رہی ہے جو سچ ہے وہ تو ایک دن ضرور کھلے گا
مگر بھائی کو یوں عائشہ بھابی پر بہتان نہیں باندھنا چاہیے تھا''
''شاید میں یا تم اس کی جگہ ہوتے تو پھر یہی کرتے۔ انسان ایسے مقام پر بے بس ہو کر رہ جاتا
ہے'' احمر پرسوچ انداز میں بولا تھا وہ حد درجہ ذہنی دباؤ کا شکار تھا کل رات اس کی اور فارینہ کی شدید
جھڑپ ہوئی تھی۔
''احمر اس بچے کو بے بی کیئر سنٹر چھوڑ آئیں یا پھر اس کے باپ کا اتا پتا معلوم کر کے اس کے
حوالے کر آئیں میں کب تک ایزن کو سنبھالوں گی خود تو وہ ہسپتال میں پڑی ہے جبکہ مجھے اس
''علت'' کو سنبھالنا پڑ رہا ہے یہ ہمدردیاں مہنگی بھی پڑ سکتی ہیں وہ نہ جانے اب ہوش میں آتی ہے
بھی کہ نہیں برے اعمالوں کا یہی نتیجہ ہوتا ہے جھوٹ اور گناہ کبھی پوشیدہ رہ سکتے ہیں اپنے تئیں تو
اس نے کمال کا ڈرامہ رچا کر بے وقوف بنانے کی کوشش کی ہے ہم سب کو، مجھے تو لگتا ہے اس نے
اسلام بھی قبول نہیں کیا اس جیسی عورتوں کا بھلا کیا بھروسہ بہر حال میں آپ سے یہ کہنا چاہ رہی ہوں
کہ ایزن کو میری نظروں سے دور کر دیں آپ کو یہ نزاکتیں سمجھ میں کیوں نہیں آ رہی ہیں کل کو اس
نے بھی بڑا ہونا ہے اور ہماری ایک بیٹی بھی ہے'' احمر تو حق دق اس کی فراٹے سے چلتی زبان کے
جوہر دیکھتا رہا۔

''علی بھائی کو تو اب اسے بسانا نہیں ہے ایک ایسی عورت جو شادی شدہ ہو ایک بچے کی ماں بھی ہو اور ہمیں کیا معلوم کہ خیر سے بغیر شادی کے ہی ایزن''

'' بکواس بند کرو فارینہ شرم نہیں آئی تمہیں ایسی گھٹیا باتیں کرتے ہوئے'' احمر نے چلّا کر کہا تھا فارینہ کے نقوش تن سے گئے۔

'' یہ حقیقت ہے اور آپ اس سے نگاہیں نہیں چرا سکتے اس وقت ہمدردی کا بخار چڑھا ہوا ہے آپ کو کل کو اگر کوئی اونچ نیچ ہو گئی پھر''

''تمہیں اس غم میں گھلنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے میں تم سے بہتر جانتا ہوں اور ہاں ایک بات سن لو ایزن عائشہ کے صحت یاب ہونے تک یہیں رہے گا'' احمر نے ترشی سے کہا تھا۔

''اگر وہ بیس سال تک کوما میں رہی تو پھر'' فارینہ زہر خند ہوئی۔

''بیس تو کیا تیس سال بھی میں ایزن کو رکھ سکتا ہوں'' اس نے چیلنج بھری نگاہوں سے فارینہ کی طرف دیکھا تھا۔

'' آپ کے دماغ میں خناس بھر چکا ہے اگر آپ نے میری بات نہ مانی تو میں یہاں نہیں رہوں گی'' فارینہ اس کے دوٹوک انداز کو ملاحظہ کر کے دھمکاتے ہوئے بولی۔

'' فارینہ! تم یہ چاہتی ہو کہ میں ایزن کو اس معاشرے کی گندی دلدل میں پھینک دوں ایک اور شگفتہ پھول کیچڑ سے لت پت ہو کر کملا جائے کیا تم اپنے اعمال میں چند نیکیوں کا اضافہ نہیں کرنا چاہتی کیا تم ایک غیر مسلم کو کلمہ حق کا سبق یاد کروا کے اپنے لئے بخشش و کامیابی نہیں چاہتی تم اسے روشنی دو اللہ تمہاری قبر کو روشنیوں سے بھر دے گا تم اسے صراط مستقیم دکھاؤ اس کی راہوں کو دین و اسلام کی روشنی میں آسان کر دو اللہ ہمارے لیے آخرت کی منزلوں کو آسان کر دیگا یہ تو ابھی گناہ سے پاک اور معصوم ہے تم نے اسے اچھوت سمجھ کر اس کے برتن الگ رکھے ہیں تم مونا کے کھلونے اس سے چھپا کر رکھتی ہو تا کہ وہ ناپاک نہ ہو جائیں تم اس کے کپڑے نہیں دھوتی اسے اپنا بچا کھچا کھانا دیتی ہو وہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کھا سکتا کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ تم اسے نجس سمجھتی ہو، اس کی نجاستوں غلاظتوں کو دھو کیوں نہیں دیتی؟ اس پاک کیوں نہیں کر دیتیں کیا تمہار دل سیاہ ہو چکا ہے؟''

فارینہ حیرت سے بت بنی یک ٹک احمر کی طرف دیکھ رہی تھی اس کے چہرے پر پہلے حیرت، بے یقینی اور پھر پشیمانی کے سائے پھیل گئے تھے اس کا سر جھک گیا تھا ندامت کے بوجھ سے۔

'' آج سے ایزن، احمد ہے وہ کسی کا بیٹا نہیں ہے بلکہ وہ میرا بیٹا ہے۔ کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ احمد کی طرف انگلی اٹھائے خواہ وہ تم ہی کیوں نہ ہو''

''سوری احمر! میں ذرا جذباتی ہو گئی تھی'' وہ آہستگی سے انگلیاں مروڑتے ہوئے بولی تھی ایک ماں ہونے کے ناتے اس کے خدشات بھی تو بجا تھے مگر وہ احمر کی طرح نہیں سوچتی تھی اس پل اسے اپنے شریک سفر پر فخر سا محسوس ہوا تھا۔

وہ اور احمر دونوں باقاعدگی سے عائشہ کو ہسپتال دیکھنے کیلئے جاتے تھے اس کی حالت میں ذرا برابر بھی فرق نہیں آیا تھا وہ زندہ تھی مگر ایک لاش کی طرح آج صبح احمر کی عائشہ کے معالج سے تفصیلی

بات ہوتی تھی ڈاکٹر جوز کا راسے کومے کے مریضوں کے متعلق بتا رہے تھے ڈاکٹر جوز کار نے اپنے دراز میں سے ایک فائل نکالی۔

''اس فائل میں تمام مریضوں کے نام درج ہیں جو معجزانہ طور پر ''کومے'' سے باہر آ گئے تھے کوما ایک ایسی بے ہوشی ہے جس میں مریض کا شعور مردہ ہو جاتا ہے مگر اس کے باوجود وہ ہماری باتیں سنتا ہے مگر بول نہیں سکتا جیسا کہ جب ہم خواب دیکھتے ہیں خواب میں لاشعور ہم پر حاوی ہو جاتا ہے ہم بولنا چاہتے ہیں مگر بول نہیں پاتے بھاگنا چاہتے ہیں مگر بھاگ نہیں سکتے اسی طرح ''مریض'' کی بھی خواہش ہوتی ہے کہ وہ بولے مگر وہ بے بس ہوتا ہے اگر آپ زیادہ سے زیادہ وقت مریض کے ساتھ گزاریں تو وہ جلد زندگی کی طرف آئیگا''

''عائشہ کے ہوش میں آنے کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے؟''

''نہیں'' ڈاکٹر جوز نے چشمہ اتار کر فائل بند کی۔

اس دن کے بعد احمر نے زیادہ سے زیادہ وقت ہسپتال میں گزارنا شروع کر دیا وہ عائشہ کو اخبار پڑھ کے سناتا ٹی وی کی ہر نئی خبر، فلم یا پھر ڈرامے کی چیدہ چیدہ باتیں بتاتا وہ اسے اسپورٹس نیوز کے بارے میں باخبر کرتا تھا۔

اس دوران احمر کی نگاہیں عائشہ کے سپاٹ چہرے پر کسی بھی قسم کا تاثر ڈھونڈنے کی کوشش میں رہتی تھیں مگر یوں محسوس ہوتا تھا کہ عائشہ کو ان باتوں سے قطاً کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

کچھ دنوں سے وہ احمد کو اپنے ساتھ لے کر آ رہا تھا۔ احمد بہت بے تابی کے عالم میں عائشہ کی طرف لپکتا تھا وہ اس کے ہاتھ چومتا اور پھر پیشانی پر اپنے لب رکھ کر آہستہ سے آواز میں کہتا۔

''سے می! اب اٹھ جاؤ میرے ساتھ چلو اتنا نہیں سوتے''

احمر دانستہ عائشہ کے پاس بیٹھ کر احمد کو اس کے سابقہ نام سے پکارتا تھا پھر ایک دن عجیب بات ہوئی وہ احمد کو اسکول سے لے کر سیدھا ہسپتال چلا آیا تھا اس نے احمد کو لنچ کروایا اور پھر اس سے چھوٹی چھوٹی باتیں کرنے لگا اچانک خیال آنے پر وہ احمد کو ڈپٹتے ہوئے بولا تھا۔

''آج آپ نے مجھے کلمہ نہیں سنایا''

''ابھی سناتا ہوں'' احمد نے جوس کا ٹن خالی کیا اور ٹشو سے منہ صاف کر کے اس کی گود میں بیٹھتے ہوئے جذب سے بولا

''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پہلے وہ اٹک اٹک کر پڑھتا تھا۔ اب وہ روانی سے کلمہ پڑھ سکتا تھا احمد نے فخریہ انداز میں ہاتھ لہرا کر احمر کا شانہ ہلایا۔

''اچھا ہے نا۔۔۔۔''

''بہت اچھا'' احمر نے اس کے گولڈن بالوں کو نرمی سے چوما اور پھر بولا۔

''ہمیں کس نے پیدا کیا؟''

''اللہ تعالیٰ نے''

''ہمارے نبی کون ہیں؟''

''حضرت محمد ﷺ'' احمد نے مونا کی طرح انگوٹھا چوم کر آنکھوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

''علی حارث'' وہ مختصر بولا

''کیا کرتے ہو؟''

''ہیتیو ڈیلشی ٹاور میں جاب کرتا ہوں'' علی نے ایک مشہور جاپانی کمپنی کا نام لیا۔

''پھر تو امریکہ میں بہت ٹھاٹ سے رہ رہے ہو'' وہ اس سے متاثر ہو چکی تھی اپنا ورد مکمل کرنے کے بعد اس نے خود پر مزید پڑھ کر پھونکا اور پھر علی کو بغور دیکھنے لگی۔

''کس ملک سے آئے ہو؟''

''پاکستان'' وہ ایک مرتبہ پھر گلاس ونڈو کے پار جگمگاتے منظر کو دیکھنے لگا۔

''میری ماں کا تعلق بھی پاکستان سے تھا'' نہ جانے کیوں اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ موٹی موٹی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے تھے۔

''میں تم سے دوبارہ ملنے کی خواہش رکھتی ہوں کیا تم مجھ سے ملنا پسند کرو گے؟'' علی نے اک نظر اس کی سرخ آنکھوں کو دیکھا وہ صاف لفظوں میں انکار کر دینا چاہتا تھا مگر نہ جانے کیوں وہ ایسا نہ کر سکا والٹ میں سے ایک سلور رنگ کا کارڈ نکال کر اس نے سامنے کھڑی عورت کے ہاتھ میں تھما دیا تھا اور پھر خود کرسی کھسکا کر کھڑا ہو گیا۔

''تم نے میرا نام تو پوچھا ہی نہیں ہے'' اسے مڑتا دیکھ کر وہ سرعت سے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

علی سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

''مجھے پنکی کہتے ہیں''

''غلط ہی کہتے ہیں'' وہ اردو میں بولا تھا اس تمام گفتگو کے دوران پہلی مرتبہ علی کے چہرے پر مسکراہٹ چمکی تھی وہ حیرانی سے اسے مسکراتا دیکھتی رہی۔

☆☆☆

اس نے لاؤنج میں قدم رکھا ہی تھا جب نگاہ سامنے دیوار پر لگی فل سائز عائشہ کی تصویر پر گویا جم کر رہ گئی وہ اس کی ہنستی مسکراتی تصویر سے نگاہیں چراتا اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا تھا زین نے کچن کی کھڑکی میں سے جھانکا اور پھر مختصر سا لنچ ٹیبل پر سجا دیا۔

''بھائی کھانا کھا لیں'' کچھ دیر بعد وہ اس کے کمرے میں موجود تھا۔

''میرا دل نہیں چاہ رہا تم کھاؤ'' علی نے بے زاری سے کہا۔

''آپ کھانا نہیں کھائیں گے تو پھر میں بھی نہیں کھاؤں گا''

''ضد نہیں کرتے یار! جاؤ شاباش کھانا کھا کر دوا بھی کھا لو'' وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

''مجھے پتا ہے آپ کو بھابی کی یاد آ رہی ہے'' زین نے گویا اس کے زخموں پر نمک کا چھڑکاؤ کر دیا تھا علی آنکھوں میں سرخی لئے اس دیکھتا رہا۔

''میں کیوں اس دھوکے باز، جھوٹی عورت کو یاد کروں گا''

''آپ خود کو بہلاتے ہیں ایسی باتیں کر کے آپ انہیں یاد کرنا نہیں چاہتے مگر وہ پھر بھی آپ کو یاد آتی ہیں کیونکہ ان کی محبت ابھی بھی آپ کے دل میں موجود ہے وہ ہسپتال میں ہیں بے حد

تکلیف میں ہیں اور پھر چین سکون تو آپ کو بھی نہیں ہے رات رات بھر جاگتے رہتے ہیں یہ محبت نہیں تو کیا ہے''

''یہ محبت نہیں تو کیا ہے'' زین کے جانے کے بعد بھی یہی چند الفاظ اس کے ذہن پر ہتھوڑے کی مانند لگ رہے تھے۔

''یہ محبت نہیں تو کیا ہے'' کمرے کی دیواریں چھتیں چلا چلا کر کہہ رہی تھیں۔ علی نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا تھا۔

''ہاں میں تمہیں چاہتا ہوں میں تمہاری محبت کو اپنے دل سے کھرچ نہیں سکتا'' علی نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی عائشہ کی تصویر کو اٹھا کر بے ساختہ چوما۔

''میں تمہیں بھلا نہیں سکتا کبھی بھی نہیں کیونکہ میرے دل پر تمہاری محبت کا پہرہ ہے'' وہ بے آواز رو رہا تھا نہ جانے کتنے پل، منٹ سیکنڈز اور گھنٹے گزر گئے معاً فون کی گھنٹی نے اسے چونکا دیا وہ بھیگے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے صاف کر کے فون کی طرف بڑھا دوسری طرف آپریٹر تھی وہ اسے زرینہ کی سیٹ کنفرم ہونے کی اطلاع دے رہی تھی۔

علی کچھ پل سوچتا رہا تھا پھر گہری سانس خارج کرتا زرینہ کے کمرے میں آ گیا وہ ان کے تین مہینوں کے قیام کے دوران پہلی مرتبہ ان کے بیڈ روم میں آیا تھا زرینہ علی کو اپنے کمرے میں دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔

''مجھے آپ کو یہ بتانا ہے کہ آپ کے ویزے کی مدت ختم ہو گئی ہے تین دن صرف رہ گئے ہیں اگر آپ سوہا، سوہا کیلئے کچھ خریدنا چاہتی ہیں تو میں آپ کو مارکیٹ لے جاؤں گا'' وہ دل پر بھاری سل رکھے بمشکل بولا تھا زرینہ کے تو گویا قدموں کے نیچے سے زمین کھسک گئی وہ حیران پریشان اس کی پشت کو گھورتی رہ گئیں۔

''یہ علی کیا کہہ رہا ہے'' وہ بڑبڑاتے ہوئے صوفے پر ڈھے سی گئی تھیں۔

''میں اور پاکستان جاؤں اونہہ'' انہوں نے تنفر سے سر جھٹکا مگر پریشانی کسی طور کم نہیں ہو سکی تھی۔

''مجھے جلد از جلد کچھ کرنا ہے ورنہ وقت ریت کی طرح ہاتھوں سے پھسل جائے گا'' ان کے لبوں پر شیطانی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

☆☆☆

''میں نے تمہارا ایڈمیشن کالج میں کروا دیا ہے''

اگلی صبح ناشتے کی میز پر علی، زین کو اطلاع دے رہا تھا۔

''اچھا'' زین خوشی سے کھل اٹھا تھا۔

''کلاسز کب تک اسٹارٹ ہو نگیں'' اس نے دودھ کا گلاس علی کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا

''ایک ہفتے بعد'' علی اپنا کوٹ اور بریف کیس اٹھا کر باہر نکل گیا ناشتا کرنے کے بعد زین نے برتن سمیٹے، دوا کھائی اور پھر تیار ہو کر احمر کی طرف چلا گیا اسے اور فارینہ کو آج ہسپتال جانا تھا۔

زرینہ جب اپنے بیڈ روم سے نکلیں تو گھر میں کوئی نہیں تھا انہوں نے بہت سکون کے ساتھ تمام

کمرے چیک کیے، بیرونی دروازہ لاک کیا اور پھر علی کے بیڈروم کی طرف آ گئیں۔ رائٹنگ ٹیبل کے اوپر ٹیبل لیمپ پڑا تھا اور اس کے ساتھ ہی لاکر کی چابیاں رکھی تھیں انہوں نے مسکراتے ہوئے چابیاں اٹھائیں اور لاکر کھول لیا ان کے اندازے کے عین مطابق کافی ساری رقم موجود تھی۔ انہوں نے فوراً پرس میں تمام رقم ٹھونسی اور تیزی سے فلیٹ کا بیرونی دروازہ عبور کر گئیں۔

شام کو زین علی سے پہلے گھر آ گیا تھا، دروازہ کھلا تھا وہ ماما کی لاپرواطبیعت پر دل ہی دل میں خفا ہوتا لاؤنج میں آ کر صوفے پر ڈھے گیا۔ اک طائرانہ نگاہ پورے گھر پر ڈالنے کے بعد وہ ماما کو آوازیں دینے لگا مگر جواب ندارد اس نے کچن، ماما کا بیڈروم اور واش روم تک دیکھ ڈالے۔ گھر کی حالت کافی ابتر تھی۔

"یعنی ماما نے آج صفائی بھی نہیں کی" اس نے سوچتے ہوئے علی کے بیڈ روم میں جھانکا اکی پہلی نگاہ لاکر پر پڑی تھی جس کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے زین دھڑکتے دل کے ساتھ آگے بڑھا اس کے تمام خدشات درست ثابت ہوئے تھے لاکر خالی پڑا اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

"کیا گھر میں چور گھس آئے تھے!" وہ خوفزدہ سے کھڑا دیکھتا رہ گیا پھر الٹے قدموں باہر کی طرف بھاگا۔

"ماما کہاں ہیں؟" وہ ایک مرتبہ پھر تمام کمرے دیکھ رہا تھا زرینہ کا بیڈروم خالی تھا ان کے تمام کپڑے اور ضرورت کی اشیاء بھی موجود نہیں تھیں زین کا سانس حلق میں ہی اٹک گیا۔

"تو کیا ماما نے؟" اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر اذیت سے سوچا علی کب گھر آیا اور وہ کس طرح اس کے سینے سے لگا دھاڑیں مار مار کر روتا رہا تھا علی کے دلاسے، تسلیاں بھی اس کے دل میں چبھی پھانس کو نہیں نکال سکے ماما اتنی گری ہوئی حرکت کرینگی اس نے کبھی سوچا تک نہیں تھا۔

ماما پر غصہ وقتی جگہ مگر وہ ساری رات سو نہیں سکا تھا کہ نہ جانے تمام راستوں سے ناآشنا اس کی ماں کہاں کہاں بھٹک رہی ہوگی۔

اور یہ تو اس کی خام خیالی تھی' زرینہ ٹرین کے ذریعے مشی گن پہنچ چکی تھی اور وہاں جا کر انہوں نے ایک پچپن سالہ بوڑھے ریٹائرڈ کلرک سے شادی کر لی تھی جو کہ رومن کیتھولک مذہب کا پیروکار تھا۔

☆☆☆

اس نے بیل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ دروازہ کھل گیا دروازہ کھولنے والا ایک نوعمر لڑکا تھا۔

"کس سے ملنا ہے؟" زین نے شائستگی سے پوچھا۔

"علی سے" پنکی دلچسپی سے اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھتی رہی۔

"آپ آ جائیں پلیز" زین دروازے کے سامنے سے ہٹ گیا تھا اس کی نظریں پنکی کی موٹی موٹی سیاہ انگلیوں پر لپٹی تسبیح کے جگمگاتے موتیوں پر تھیں زین نے ایک مرتبہ پھر سرتاپا پنکی کی طرف دیکھا اس کے سر پر اسکارف تھا جبکہ ہونٹ مسلسل ہل رہے تھے پھر اس نے ایک دم ہی پنکی کو ٹھٹک کر رکتے دیکھا وہ ایک دم چونکتے ہوئے پلٹی۔

"یہ تصویر کس کی ہے؟" پنکی کے چہرے پر حیرت و بے یقینی کے سائے لہرائے تھے وہ لاؤنج کی دیوار پر لگی عائشہ کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کپکپائی آواز میں بولی۔

"یہ علی بھائی کی بیوی کی تصویر ہے"

"اوہو میرے اللہ، میں نے کہاں کہاں نہیں اسے ڈھونڈا" وہ زیر لب بڑبڑاتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"آپ انہیں کیوں ڈھونڈتی پھر رہی ہیں؟" زین نے دھڑکتے دل سے بے حد گھبرائے ہوئے سوال کیا تھا۔

پنکی نم آنکھیں پونچھ کر آہستگی سے بولی۔

"مجھے عائشہ سے معافی مانگنا تھی میں مجرم ہوں اس کی"

"کیا آپ مجھے تفصیل بتانا پسند کرینگی؟" زین نے بے تابی سے کہا تھا۔

"ہاں کیوں نہیں" پھر اس نے سارا واقعہ من و عن سنا ڈالا اپنی ماں کی عائشہ سے والہانہ محبت سے لے کر اپنا تلخ و گھٹیا رویہ، عائشہ کی مشکلات، پریشانیاں کہ کس کس طرح اس نے عائشہ کو گھر سے نکالا تھا نہ جانے وہ بے چاری کہاں کہاں بھٹکتی رہی تھی۔

"اس نے میری ماں سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا تھا وہ نئی نئی دائرہ اسلام میں داخل ہوئی تھی اس نے مذہب بدلنے کے بعد بہت سی تکلیفوں، اذیتوں اور مشکلات کا سامنا کیا تھا تم یقین جانو جب سے عائشہ کو میں نے گھر سے نکالا ہے ایک دن بھی پرسکون نیند نہیں لے سکی مجھے ایک بات کا شدید خوف تھا کہ کہیں وہ مشکلات سے گھبرا کر ایک مرتبہ پھر نہ بھٹک جائے اگر ایسا ہو جاتا تو میں خود کو کبھی معاف نہ کرتی اللہ کا شکر ہے کہ وہ ایک محفوظ جگہ پر زندگی گزار رہی ہے' وہ بہت اچھی ہے اسی لیے اسے اتنا اچھا ہمسفر ملا ہے مجھے سونیتا نامی اس لڑکی پر فخر محسوس ہوتا ہے جس نے سونیتا سے عائشہ تک بہت کامیابی سے طے کیا' یقیناً اللہ کی اس پر خاص رحمت ہے"

پنکی بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی علی دم بخود سا اپنے بیڈروم کے دروازے میں کھڑا اسے سنتا رہا اس سے اپنی ٹانگوں پر کھڑا رہنا دشوار ہو گیا تھا۔

☆☆☆

مونا کو سلا کر اس نے احمد کے کمرے میں جھانکا وہ اپنے ہوم ورک میں مصروف تھا فارینہ اسے بتا کر مطمئن سی دروازہ لاک کر کے ڈاکٹر مارگریٹ کے کلینک آ گئی تھی پچھلے تین چار دن سے اس کی کمر میں شدید درد ہو رہا تھا تفصیلی چیک اپ کروانے کے بعد وہ تجویز کردہ دوائیوں کا پرچہ لیے اٹھنے ہی والی تھی جب ڈاکٹر مارگریٹ نے کچھ یاد آنے پر دراز میں سے ایک فائل نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولیں۔

"یہ رپورٹس تمہاری دوست عائشہ کی ہیں اس دن کے بعد وہ دوبارہ آئی ہی نہیں کم از کم اسے اپنی رپورٹس تو لینا چاہئے تھیں افسوس کہ میرے پاس اس کیلئے کوئی خوشخبری نہیں ہے اسی لیے میں نے اس سے دوبارہ رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی" ڈاکٹر مارگریٹ سامنے رکھی فائل کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں جبکہ فارینہ مرے مرے قدموں سے چلتی ہوئی رپورٹس کی فائل کو مضبوطی سے پکڑے

بمشکل گھر آئی تو اس کی رنگت زرد تھی جبکہ جسم کپکپا رہا تھا اس رپورٹ کو بغیر پڑھے بھی وہ جانتی تھی کہ اس میں کیا لکھا ہے۔

"عائشہ بانجھ تھی"

"وہ کبھی ماں نہیں بن سکتی تھی"

"اگر عائشہ بانجھ تھی تو ایزن کون ہے؟"

"عائشہ کا ایزن سے کیا تعلق ہے؟"

اتنے ڈھیر سارے سوالیہ نشان اسے منہ چڑا رہے تھے وہ احمر کے آنے تک اسی طرح گم سم سی بیٹھی رہی تھی اس نے رپورٹس کی فائل احمر کی طرف بڑھا دی کم و بیش اسی قسم کے تاثرات احمر کے بھی تھے۔

۔۔ بھلا کو فو۔۔ کر کے ملانا چاہتا تھا اسے یہ حقیقت بتانا چاہتا تھا مگر اس سے پہلے ہی وہ خود آ گیا نم

۔۔۔

آزردہ تھا۔

آزمائش کی اس بھٹی میں جل جل کر وہ چھوٹی سی لڑکی کندن بننے میں کامیاب ہو گئی تھی اللہ نے اسے سرخرو کر دیا تھا سب کی نگاہوں میں اس نے کہیں پڑھا تھا کہ لطافت، طبع دقت قلب اور اثر پذیری ایک نیک باکردار انسان کا حاصل ہیں اور ان کے ذریعے ہی سے وہ پند و موعظت، اسلامی تعلیمات، حق اور شاد و ہدایت کو قبول کر سکتا ہے پھولوں کی پنکھڑیاں نسیم صبح کی خاموش حرکت سے مل جاتی ہیں لیکن تناور درخت کو باد صرصر کے جھونکے نہیں ہلا سکتے روشنی، نور، ہلکی سی کرن نگاہ آئینہ کے اندر سے گزر جاتی ہے مگر پتھروں پر فولادی تیر بھی اثر نہیں کرتے۔ وہ دل جو عائشہ کے سینے میں دھڑکتا تھا بے حد نرم اور گداز تھا وہ دل کی گہرائیوں سے ایمان لے آئی تھی کلمہ حق پڑھا جبکہ لیزا، لیوسٹی اور زرینہ جیسی عورتیں جن کے دل سیاہ دھوئیں کی لپیٹ میں ہیں وہ مزید پانے کی تلاش میں اسی طرح بھٹکتی رہیں گی۔

ان عورتوں کو دولت، شہرت، مقام مل گیا تھا۔ انہوں نے ہر چیز پالی تھی جن کی انہیں چاہ تھی اور عائشہ کو وہ سب مل گیا تھا جس کی اس نے چاہ کی تھی۔ ہدایت ان کو ملتی ہے جو ہدایت طلب کرتے ہیں اور اللہ ان راہ پر چلنے والوں کیلئے آسانیاں فرما دیتا ہے۔

امریکہ کے شہر نیویارک میں رات اپنے جوبن پر تھی ڈسکو کلب ہر رات کی طرح آج بھی لوگوں سے کھچا کھچ بھرے تھے آج انگریزوں کا خاص تہوار تھا۔ عورتیں، مرد، بچے سب گھروں سے باہر سڑکوں پر تھرک رہے تھے ناچ رہے تھے ہنگامے شور، آوازیں۔

علی کا فلیٹ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا رات کے تیسرے پہر وہ ہر شے سے بے نیاز اپنے رب کی بارگاہ میں جھکا اپنے گناہوں کی بخشش طلب کر رہا تھا اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے وہ گڑگڑا کر رو رہا تھا وہ رب تعالیٰ سے اپنی بیوی کی زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا اور اللہ اپنے بندوں کو مایوس نہیں کرتا۔

☆☆☆

"میں زندگی کی آخری سانسوں تک تمہارے لوٹ آنے کا انتظار کرونگا" کل شام اس کی سماعتیں کتنے عرصے بعد کس قدر محبوب ترین آواز کو سن رہی تھیں اس کا دل چاہا کہ وہ بول اٹھے وہ آنکھیں کھول لے وہ اس چہرے کو دیکھنا چاہتی تھی وہ اپنے محبوب کے چہرے کو دیکھنا چاہتی تھی۔

"عاشی مجھے معاف کر دو"

"یہ کیوں بار بار مجھ سے معافی مانگ رہا ہے" وہ اپنے ذہن پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کر رہی تھی اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ علی کو روک دے وہ علی کو روکنا چاہتی تھی کہ تم کیوں مجھ سے معافی مانگ رہے ہو ایسا مت کرو، میرا دل دکھتا ہے اسی اثناء میں اس کے لبوں سے ہلکی سے کراہ نکلی اس نے دایاں ہاتھ اٹھا کر کنپٹی پر دباؤ ڈالا۔

"عاشی! تم ٹھیک ہو عاشی پلیز آنکھیں کھولو" علی کی پرجوش، محبتوں کے جذبات سے گرمائی آواز اس کے کانوں کے قریب گونجی تھی پھر علی نے اس کی پیشانی کو چوما اس نے لرزتی پلکوں کی

اس کی آنکھوں میں روشنی اگرچہ چبھ رہی تھی مگر وہ یک ٹک علی کو دیکھتی رہی جس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

☆☆☆

"اب بس بھی کرو جو کچھ رہ گیا ہے کل پھر سے آ کر خرید لینا میں شاپنگ بیگ اٹھائے تھک چکا ہوں" ڈیپارٹمنٹل سٹور میں اسے گھستے دیکھ کر علی چلا کر بولا تھا یوں کہ آتے جاتے لوگوں نے بغور اسے دیکھنا شروع کر دیا۔

"آپ تمام شاپنگ بیگز آرام سے گاڑی میں رکھ کر آئیں" اس کے مشورے پر علی جلتے کلستے واپس مڑ گیا کچھ دیر بعد علی اور احمد دونوں کھلونوں والی دکان میں گھس گئے اب کے جلنے کلسنے کی باری عائشہ کی تھی۔

"پہلے ہی پوری دکان گھر میں اکٹھی کر رکھی ہے کیا ضرورت ہے اس فضول خرچی کی"

"تم جلتی رہو" علی نے اسے چڑایا۔

"بابا! میں نے نئے کلرز بھی لینے ہیں" احمد اس کے کان میں منمنایا پھر اس نے اپنی اور مونا کی شاپنگ کی، ببلو، چاکلیٹ، اور کینڈیز کے پیکٹ۔

"بابا! آپ مجھے آنٹی کے گھر چھوڑ دیجئے گا" وہ اپنا پروگرام علی کے گوش گزار کر رہا تھا مونا اور اسکی دوستی پکی تھی۔

عید کی تیاریاں دونوں گھروں میں زور شور سے ہو رہی تھیں۔ فارینہ نے تو پورے گھر کی سیٹنگ بھی بدلی تھی عائشہ نے بھی اپنے فلیٹ کو نئے سرے سے سجایا تھا۔

اس کی صحت یابی کی خوشی میں علی نے چھوٹا سا فنکشن ارینج کیا تھا جس میں احمر کی فیملی کے علاوہ پنکی شرکت کی تھی اسے مکمل طور پر صحت مند ہونے میں کافی عرصہ درکار تھا اب بھی کبھی کبھار اس کے سر میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگتی تھیں اس کے ہسپتال سے گھر آنے تک علی کتنی ہی مرتبہ اس سے معافی مانگنے کی کوشش کی تھی وہ ہر دفعہ خفگی سے اسے دیکھ کر رہ جاتی تھی یا پھر ناراضی کا اظہار منہ پھلا

کر کرتی۔

"میں سب کچھ بھول چکی ہوں اس لیے آپ سے التجا کرتی ہوں کہ خدارا آپ بھی بھلا دیں ان تمام تلخیوں کو"

علی اگر اس سے اپنے گزشتہ رویے کی معافی نہ بھی مانگتا وہ پھر بھی اسے معاف کر دیتی کیونکہ اس کی زندگی میں صرف وہی تو ایک رشتہ بچا تھا اور وہ کسی بھی صورت علی کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔

وہ غلط فہمیوں کا شکار تھا۔ جب اس کی تمام تر بدگمانیاں دور ہو گئیں تو وہ ایک مرتبہ پھر پہلے والا علی بن چکا تھا چاہنے والا، خیال رکھنے والا عائشہ کو کبھی کبھی اپنی قسمت پر رشک آتا تھا کیا تھا جو اگر اس میں ایک کمی تھی کیا تھا جو اس کے پیروں تلے جنت نہیں آسکی اس کے بانجھ پن میں بھی اللہ کی مصلحت تھی بے شک اس کی حکمتیں صرف وہ ہی جانتا ہے۔

احمد کا وجود اس کی ممتا کی سیرابی کیلئے کافی تھا اور پھر جس طرح علی، احمد سے والہانہ پیار کرتا تھا اس کے تمام گلے شکوے خود بخود دور ہو گئے۔

اور اب تو احمر اور فارینہ نے مونا اور احمد کیلئے بھی ایک فیصلہ کرلیا تھا بس وہ لوگ اس خوبصورت وقت کا انتظار کرنے لگے تھے۔

عائشہ جب گھر سے نکلتی تھی اردگرد کے تمام مناظر کو بغور دیکھتی رہتی، فٹ پاتھ، شاپنگ مال، مارکیٹیں، روڈز جہاں جہاں تک اس کی نگاہ پہنچ سکتی تھی وہ ہر چہرے کو کھوجنے کی کوشش کرتی کہ شاید کوئی سوہنا منزل کی تلاش میں بھٹکتی کہیں مایوسی کو گلے کا ہار نہ بنالے۔

"تم اپنی شاپنگ نبٹا لو اتنے میں، میں اور احمد آئس کریم سے لطف اندوز ہوتے ہیں" اسے دالیں اور چاول خریدتے دیکھ کر علی اور احمد برا سامنہ بنا کر باہر نکل گئے تھے۔

"بابا! تھوڑی سی آئسکریم مونا کیلئے بھی پیک کروالیں گے" احمد اس کے گلے میں جھولتا ہوا راز داری سے بولا تھا جواباً علی نے اس کے سر پر ہلکی سے چپت لگائی تھی۔

"بہت بدمعاش ہو تم" علی بے ساختہ مسکرا اٹھا تھا۔

عائشہ تمام شاپر دونوں ہاتھوں میں تھام کر اپنی ہی جھونک میں گاڑی تک آئی تھی جب ایک جانی پہچانی آواز نے اس کے قدم روک لئے وہ آنکھوں میں خوشی اور ہونٹوں پر مسکان لیے بے ساختہ پلٹی۔

"پیٹر انکل! تم اور نیویارک میں؟" اتنے عرصے بعد اپنے اتنے قریبی جاننے والے شخص کو دیکھ کر اسے فطری سی خوشی محسوس ہوئی تھی۔

"ہاں، تم سناؤ کیا کر رہی ہو آج کل؟ اور لیوسی کیوں منظر سے غائب ہو گئی ہے" پیٹر یہی سمجھا تھا کہ وہ لیوسی کے ساتھ ہی رہ رہی ہوگی۔

"شہرت اور دولت صدا باقی رہنے والی چیزیں نہیں ہیں روز اور لیوسی کے عروج کا سورج زوال پذیر ہو گیا ہے"

وہ تھکے تھکے لہجے میں آہستگی سے بولی تھی اب وہ دونوں اخباروں میں لگنے والی معمولی خبر ہی تو رہ گئے تھے۔

"میں نے اپنی لائبریری کی تمام کتابیں ردی میں دے دی ہیں" عائشہ کے پوچھنے پر پیٹر نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

"دراصل میرا دل اب کتاب میں نہیں لگتا عجیب بے سکونی نے دل کا گھیراؤ کر رکھا ہے" پیٹر نہ سہی عائشہ اس بے سکونی کی وجہ جانتی تھی اس نے اللہ کا ایک مرتبہ پھر شکر ادا کیا تھا جس نے اسے لادین نہیں رکھا۔

"پتا ہے پیٹر انکل! تم ایگو آنٹی سے اتنی نفرت کیوں کرتے ہو؟"

"وہ ہے ہی اسی قابل غلیظ، گھٹیا، بدترین تم نہیں جانتیں ایگو قاتلہ ہے اس نے جینی کو قتل کیا ہے، اس نے اپنی اکلوتی بیٹی کو قتل کر کے گٹر میں پھنکوا دیا تھا صرف اور صرف پیسے کی خاطر"

وہ پیٹر کے منہ سے نکلنے والے شعلوں کو سن کر ششدر رہ گئی اسی اثناء میں علی اور احمد ان کے قریب چلے آئے۔

"یہ کون ہے؟" پیٹر نے پہلے علی اور پھر احمد کو بغور دیکھ کر حیرانی سے پوچھا تھا عائشہ نے کچھ کہنے کیلئے منہ کھولا ہی تھا کہ علی بول پڑا۔

"یہ ہمارا بیٹا ہے احمد"

"اوہو اچھا اچھا" پیٹر کی آنکھوں میں پہلے حیرت اور پھر خوشی کے تاثرات امڈ آئے عائشہ کے چہرے پر پھیلا سکون، آنکھوں کی چمک، پیٹر بغیر پوچھے ہی سمجھ چکا تھا کہ وہ جو کچھ پانا چاہتی تھی جس چیز کی اسے تمنا تھی سوہنا یہ سب سوہنا حاصل کر چکی ہے۔

"تو تم نے اپنی منزل کو پالیا ہے" پیٹر مسکرایا۔ اور پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہجوم میں غائب ہو گیا "او مے می، چاچو کیلئے پزا تو لیا نہیں" احمد نے بے حد پریشانی کے عالم میں پچھلی سیٹ سے اچھل کر عائشہ کا شانہ ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

"اب تم اور چاچو خود ہی جا کر لے آنا" علی نے اس کی پریشانی کم کرنا چاہی۔

ہاں ٹھیک ہے احمد کے مدبرانہ لب و لہجے میں کہنے پر وہ دونوں بے ساختہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کھلکھلا کر ہنس پڑے تھے۔